قصص الاولین مواعظ الآخرین

حیات ذوق

جسمین ملک الشعرائے ہند شیخ ابراہیم ذوق
کی زندگی کے حالات اور اُن کی تصنیفات
کی کیفیت درج ہے

منشی احمد حسین خان صاحب احمد مترجم ڈویژنل کورٹ لاہور
مصنف آئینہ روزگار - حیات سعدی وغیرہ نے

حسب فرمائش کارخانہ مطبع خادم التعلیم لاہور قلمبند کیا

سنہ ۱۸۹۵ء

مطبع خادم التعلیم پنجاب میں باہتمام منشی محبوب عالم کے طبع ہوا

REGISTERED 1900
1981

انٹروڈکشن

پیارے ناظرین ذوق مرحوم۔ جس کی زندگی کا حال مین تمہین سناتا ہون اُن صاحب کمالون مین سے ہے جنہون نے اپنے دماغ اور فکر کے دخان سے اُردو زبان کے کارخانون مین ایجاد کی ہوائین اوڑائین۔ جنہون نے ایسی کلین نازک خیالی اور لفاظی سے اختراع کین کہ شعرا زدہ کو بوج آتشبازی کی طرح نیچے عالی پر پہنچا دیا۔ یہ وہ دماغ تھے جو بلند پرواز کے پر لگا کر ایسے بلند اوڑے کہ اوڑ ہی گئے۔ یہ وہ کامل مصور تھے جنہون نے پھول کی پتی پر نازک خیالی کی موقلم سے ایسی باریک باریک نقاشی اور نگارگری کی کہ غور کی عینک کے بغیر دکھائی نہین دیتی۔ یہ اُس رتبہ کے جواہر تھے جن کی یا انداز مین فصحا نے آنکھین بچھائین اور بلاغت قدم چوم کر آداب بجالائی۔ یہ وہ صراف تھے جنہون نے اُردو زبان کے سونے کو کدورتون سے پاک و صاف کیا اور اُسکو ایسا بنا دیا جس سے آرائشون کے سامان حسینون کے زیور۔ بادشاہون کے تاج۔ تیار ہوئے۔ یہ وہ رشک سامری تھے جن کی تیزی طبع کے سحر حلال نے ادنے اعلے کے دلون کو تسخیر کر لیا۔

بیشک ذوق مرحوم اُنہین شخصون مین سے تھا۔ جن کی طبع رسا ایک جوی شیر تھی جس سے قیامت تک لوگ سیراب ہوتے رہینگے۔ جو ایسے ذی فہم صاحب ادراک معمار تھے جنہون نے شہرت عام اور بقائے دوام کے ایسے عالیشان محل تعمیر کئے جو آسمان سے باتین کرتے ہین۔ جو فلک کے صدمون انقلاب کے حوادثون اور زمانہ کے زلزلون کو خیال مین نہین لاتے ؎

زندہ رہیگا نام سخن سے ابد تلک — اولاد سے جیا تو کوئی تین چار پشت

اے ناظرین باتمکین! ان صاحب کمالونکی تصانیف ایک بے بہا ذخیرہ ہے جو طالب نصیحت کے لئے ناصح مشفق ہے۔ جو صاحب خبر کے لئے عبرت ہے۔ جو اہل نظر کے لئے بصیرت ہے۔ جو افسردہ دل کو دل بہلانے کے لئے یار غمگسار ہے۔ جو مردہ دلون مین جان ڈالنے کے لئے دم عیسے سے کم نہین۔ جو مدہم آرزوؤنکو چمکانے کے لئے برقی طاقت کا آلہ ہے۔ جس سے سوتے دلون مین گدگدی ہوتی ہے۔ اور جس مین اوداسی اور خوشی دونونکی چاشنی موجود ہے۔ اگرچہ ان کاغذی خانقاہون مین بسنے والون نے زیادہ تر حسن و عشق کے دربار مین زندگی گذاری ہے۔ مگر باوجود عاشقانہ مضامین کے انکی طرز تحریر لفظونکی عمدہ تراشین۔ پسندیدہ ترکیبین۔ استعارے اور تشبیہین ایسی ہین۔ اگر ہم سلیقہ اور امتیاز سے کام مین لائین تو علوم و فنون تاریخ وغیرہ عام مطالب مین ہمارے ادائے مقاصد و انداز بیان کے لئے عمدہ معاون اور کارآمد ہو سکتی ہین۔

ذرا غور سے دیکھو تو صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ انہون نے حسن و عشق کے ہی باغمین گلچینی نہین کی۔ بلکہ ہر میدان مین شہسوار بنکر گھوڑے دوڑائے ہین۔ جہان رزم کا فوٹو کھینچا ہے۔ وہان ہو بہو میدان جنگ نظر آتا ہے۔ جہان بزم کا نقشہ اوتارا ہے وہان یہ معلوم ہوتا ہے کہ مضامین کے تارے آسمان سے اوتارے ہین۔ جہان ماتم یا مجلس عزا کا نمونہ دکھایا ہے وہان لفظونکی زبان سے شور و شین کی آواز آتی ہے۔ جہان ظرافت سے گلبازی کی ہے۔ وہان ہنسی کے بے اختیار پڑھتے والا لوٹ جاتا ہے۔

یہ باکمال صدر نشین اگرچہ مر گئے ہین مگر زندہ اور اگرچہ نظر نہین آتے مگر موجود ہین۔ انکی تصنیفین۔ تالیفین۔ حکایتین اور روایتین موجود ہین تو یہ خود موجود ہین۔ انکے فخر کی دستار ہین ایسے تحسین آفرین کے پھولون سے مزین اور تاجدار ہین جو کبھی نہین کملائینگے۔ انکے گلے مین ان سدا بہار پھولونکے ہار ہین جن تک خزان کا ہاتھ قیامت تک نہین پہنچیگا۔

لاہور — احمد حسین خان

۱۲۔ اگست ۱۹۱۴ء

فہرست مطالب

فصل پہلی ..... پیدائش اور بچپن

فصل دوسری ..... طبعی عادات اور حالات

فصل تیسری ..... نشو و نمائے شاعری

فصل چوتھی ..... تصنیف پر رائے

فصل پنجم ..... ذوق۔ خطائب اور نثر کا مقابلہ

شیخ ابراہیم ذوق

فصل پہلی

پیدائش اور بچپن

شہر دلّی مین۔ اُس منتخب روزگار دلّی مین۔ اُس اُجڑی دیار دلّی مین۔ جہان لنگڑے دجّال نے ہنگامہ محشر برپا کر دیا تھا۔ جہان اکبری نورتن نے شہرت یونان پر اوس برسادی تھی۔ جہان تخت طاؤس کے جلوہ آرائے نے جشن مہتابی سے جشن فریدون و نوروز جم کو مات کر دیا تھا۔ جہان کئی بار گنگا کو جون مین خون کے نالے بہے۔ جس کی جامع مسجد مین محمد شاہ کا سفید ریش مشیر ؎

کسے نہ ماند کہ دیگر بہ تیغ ناز کشی
مگر کہ زندہ کنی خلق را و باز کشی

کہتا ہوا زلزال ہند کے روبرو آکھڑا ہوا تھا۔ جہان ۵۷ء کے انقلاب مین سینکڑون ناکردہ گناہ عورتین مہتابی کیطرح زندہ جلائی گئین۔ جہان ہزارون معصوم بچے شہید تیغ ستم ہوئے۔ اسی دلّی مین جو کئی بار اجڑی اور کئی بار بسی ایک چھوٹا سا مکان کابلی دروازہ کے پاس تھا۔ اس مکان مین ایک غریب سپاہی شیخ محمد رمضان نامی رہتا تھا۔ محمد رمضان کی آمدنی معمولی تھی۔ مگر کنبہ بھی کوئی ایسا

لمبا چوڑا نہ تھا۔ اسلئے شیخ موصوف باوصف قلیل آمدنی کے اپنی زندگی آسودہ طور پر گذارتا تھا۔ شیخ محمد رمضان بہت معتبر اور بالیاقت انسان تھا۔ اسلئے نواب لطف علی خان نے اپنے حرم سرائے کے کاروبار بھی اُسی کے سپرد کر رکھے تھے۔ شیخ صاحب کی نشست و برخاست عموماً بڑے بڑے آدمیوں مین تھی اور زمانہ کے تجربہ اور عالموں کی ہمنشینی نے اُنکو حالات زمانہ سے باخبر کر دیا تھا۔ چنانچہ شیخ صاحب کو بہت سے قصہ اور فسانہ ازبر تھے۔ اور اُنکی زبانی باتین کتب تاریخ کے بیش بہا سرمایہ سے کم نہ تھین۔ شیخ صاحب کے گرد ہر وقت بچون کا ہجوم رہتا تھا۔ اور ہر وقت کھانیونکی فرمائش کا تانتا لگا رہتا تھا۔ انہین شیخ صاحب کے گھر ۱۲۰۴ھ مین ایک اکلوتا بیٹا پیدا ہوا۔ جسکا نام شیخ ابراہیم رکھا گیا۔ خدا کے کارخانہ بھی عجیب ہین۔ اسوقت کسے خبر ہوگی کہ غریب سپاہی کا لڑکا میدان سخن کا شہسوار ہوگا۔ کس کو علم ہوگا کہ اس رمضان سے جو چاند نکلا ہے وہ سپہر سخن پر عید کا چاند بنکر چمکیگا۔ کون کہسکتا تھا کہ نواب لطف علیخان کے معتمد کا پسر ولیعہد سلطنت کا اُستاد کہائیگا۔

کہتے ہین کہ شیخ ابراہیم کی ولادت کی رات شیخ رمضان نے خواب مین دیکھا کہ ایک پرانے فیشن کا بزرگوار کھڑکی دار پگڑی باندھے۔ بڑا اگیردار جامہ پہنے مشروع کا ڈھیلا پاجامہ زیب تن کئے جریب ٹیکتا ہوا آیا۔ اور سرہانے کھڑا ہوکر کہنے لگا "اے شخص آج وہ صاحب کمال عالم ارواح سے کشور اجسام مین آنے والا ہے جسکا نام شہرت عام بنکر جہان مین مشہور ہوگا۔ جو کشور سخن مین مدت تک اپنا سکہ چلائیگا۔ اور مجھ عاجز کا نام زندہ کریگا۔ اے شخص تیری قسمت کہ تیرے نطفہ سے ایسا صاحب کمال پیدا ہو"

حافظ احمد یار کا جو ایک نامور حافظ تھے اور سرکار عالی مین حافظان قرآن مین نوکر تھے اور جو سید انشا کے یار غار تھے قول ہے کہ مین نے خواب مین دیکھا کہ ایک جنازہ رکھا ہے اور بہت سے لوگ جمع ہین۔ چنانچہ سید انشاء بھی سر برہنہ کھڑے ہین۔ اتنے مین حافظ عبدالرحیم نے جو حافظ احمد یار کے والد بزرگوار تھے انشا کے کان مین کچھ کہا۔ انشا نے ایک پیالہ دودھ سے لبریز شیخ ابراہیم کے ہاتھ مین دیا اور کہا کہ پی جاؤ۔ شیخ علیہ الرحمۃ ہچکچے کہ حافظ عبدالرحیم خود اُٹھے اور کہا کہ پی لو۔ حافظ جی بچھ بھر بھر کے دیتے جاتے تھے اور

شیخ صاحب پیتے جاتے تھے۔ حافظ موصوف سے پوچھا کہ قبلہ یہ کیا معاملہ ہے۔ اور جنازہ کس کا ہے اور یہ سوگوار کون ہیں۔ جواب ملا کہ یہ مرزا فیض کا جنازہ ہے اور میاں ابراہیم انکے جانشین مقرر کئے گئے ہیں یہ دودھ جو میاں ابراہیم نے پیا ہے انکے کلام میں دریائے شیر بہا کرے گا۔

میر تقی کا انکے والد کے خواب میں تشریف لانا اور میر سودا کا انکو پیغام دینا میری رائے ناقص میں ایشیائی روایتیں ہیں جو دلی والوں میں سینہ بسینہ چلی آتی ہیں۔ تاوقتیکہ کوئی تحریری ثبوت نہ ہو ان پر آسانی سے اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔

شیخ ابراہیم جب پڑھنے کے قابل ہوئے تو انکو حافظ غلام رسول کے مکتب میں بھیجا گیا۔ حافظ جی انکے پڑوس ہی میں رہتے تھے اور اکثر محلہ کے لڑکے انہی کے پاس پڑھتے تھے۔ انہیں بھی وہیں بٹھا دیا گیا۔

شیخ صاحب کو مکتب میں گئے تھوڑا ہی عرصہ ہوا تھا کہ چیچک نے آدبایا۔ اور اس زور سے نکلی کہ تل دھرنے کو جگہ نہ رہی اور نتیجہ یہ ہوا کہ اس بدبخت مرض نے ان کا چہرہ آئندہ ساری عمر کے لئے بدشکل کر دیا۔

حافظ غلام رسول شاعر بھی تھے شوق تخلص کرتے تھے۔ اندرون دلی میں گھر بہ گھر شعر و سخن کا چرچا تھا۔ اور اہل محلہ اکثر حافظ جی سے غزلیں کہوا لیجایا کرتے تھے۔ اور شوقین نوجوان تو اکثر مکتب میں تمام دن ہی گھسے رہتے تھے۔

غرض مکتب میں پڑھائی تو معمولی ہوتی تھی ہر وقت شعر و سخن کا ہی چرچہ رہتا تھا۔ میاں ابراہیم نے جب دیکھا کہ شاعری وہ چیز ہے جس کی بدولت ہر وقت میلا لگا رہتا ہے۔ اور واہ واہ سبحان اللہ کی ہر دم بوچھاڑ رہتی ہے تو انکو بھی شعر کہنے کا شوق چرایا۔ ایک تو قدرتی ذہین تھے دوسرے ہر وقت وہاں یہ ہی شغل تھا۔ سنتے سنتے انہیں بہت سے شعر یاد ہو گئے۔ اور ہر وقت اشعار پڑھتے پھرا کرتے تھے۔ رفتہ رفتہ شوق کا یہ عالم ہوا کہ درگاہوں اور مزاروں پر جا کر دعائیں مانگا کرتے اور منتیں مانتے تھے۔ کہ یا الٰہی مجھے بھی شعر کہنا آجائے۔

فلاسفروں کا قول ہے کہ ہر ایک انسان میں ایک خاص ملکہ ہے جس کے باعث وہ شخص اس کام کو جس سے اسے رغبت ہو بہ آسانی اور دوسروں سے

دہلی تر سیکھ سکتے ہے۔ مثلاً بعض ایسے اشخاص دیکھنے مین آتے ہین۔ کہ ریاضی سے
اُنہین خاص انس ہوتا ہے۔ اور علم زبان کیطرف توجہ نہین کرتے۔ برخلاف
اسکے بعض ریاضی سے سخت نفرت کرتے ہین۔ مگر اعلےٰ درجہ کے زباندان ہوتے
ہین۔ ڈیمیکا نے ہمیشہ اقلیدس سے کوسون بہاگتا تھا۔ مگر نظم و نثر کے میدان
مین کبھی برق تھا کبھی باد و باران۔

یہ ملکہ عہد طفلی سے ہی ظہور پذیر ہونے لگتا ہے یعنے جیسے جارج سٹیفنسن
موجد ریل گاڑی مین کلون کے اختراع و ایجاد کا خاص ملکہ تھا۔ جب وہ بچہ ہی
سے تھے تو مٹی کے جزیرہ اور کلین بنایا کرتے تھے۔ شیخ موصوف مین بھی شاعری کا
جوہر قدرتی تھا۔ اور اسی جوہر کے ذریعہ مکتب ہی مین ٹوٹے پھوٹے شعر جوڑنے
اور قافیہ بندی کرنے لگے۔ انکی طبیعت مثل باروت کے تھی۔ جسمین حافظ غلام رسول
کی شاعری نے دیاسلائی کا کام کیا۔ غرض جب میان ابراہیم مکتب سے رخصت ہوتے
تو علمی لیاقت شد بود ہی تھی۔ مگر شاعری کے عاشق زار تھے۔

کہتے ہین سب سے پہلے جو دو شعر انہون نے کہے وہ حسن اتفاق سے حمد و نعت
مین تھے۔ پہلا شعر خداوند تعالےٰ کی تعریف مین تھا۔ اور دوسرا سرور کائنات کی
میری رائے مین یہ بات مشکل سے قابل یقین متصور ہو سکتی ہے اور شیخ
علیہ الرحمتہ کے ہوا خواہون کا من گھڑت یا طبعزاد چٹکلہ ہے۔ جبتک شاعر
پہلے مضمون نہ سوچ لے اُسے لفظون مین ادا نہین کر سکتا۔ اگر صاحب آمد ہے
تو بھی پہلے مضمون کا دماغ مین قایم ہونا ضروری ہے۔ اور صاحب آورد ہے
تو ایک حرف بغیر سوچے سمجھے نہین لکھ سکتا۔ پس جب یہ صورت ہے۔ تو یہ کس
طرح قرین قیاس ہو سکتا ہے کہ دو شعر جو کہ خود بخود موزون ہوئے ایک حمد مین تھا اور
دوسرا نعت مین اور پھر ترتیب بھی درست یعنے پہلا حمد مین اور پچھلا نعت مین۔

میرے خیال مین اصل بات یون ہے۔ کہ پہلے دو شعر جو شیخ علیہ الرحمتہ نے
عروض کے قاعدہ کے بموجب موزون کئے وہ بالارادہ حمد و نعت مین لکھے
خواہ کچھ ہی معاملہ ہو۔ بہرحال شیخ صاحبکو دو شعر وزنکے موزون ہونے سے
وہ خوشی ہوئی کہ جسکا کچھ ٹھکانہ نہ تھا۔ گویا دولت ہفت اقلیم ملگئی۔ ان دو شعرونکو
رنگ برنگ کی روشنائیون مین لکھتے تھے۔ جو ملتا تھا اُسے سناتے تھے اور
پھولے نہ سماتے تھے۔ حافظ غلام رسول نے جب شعر سے تو بہت خوش ہوئے اور

کہنے لگے یہ قدرتی اتفاق بھی فال ہمایون ہے۔ اور مین پیشین گوئی کرتا ہون کہ یہ لڑکا صاحب اقبال ہوگا۔ حافظ جی کی تعریف نے سمند ناز پر جلازیانہ کا کام کیا۔ اور رفتہ رفتہ انکا اشتیاق اس قدر بڑھا کہ فنا فی الشعر ہوگئے۔

شیخ صاحب کی تیزی ذہن بڑائی طبع اور قوت حافظہ کے بارہ مین بھی بہت سی روایتین سنی جاتی ہین۔ کہتے ہین کہ جو چیز ایکدفعہ سن لیتے یا دیکھ لیتے تھے وہ انکو کبھی نہ بھولتی تھی۔ روایت ہے۔ کہ عالم شیر خواری مین ایکدن انہین شدت سے تپ لرزہ چڑھ آیا۔ والدہ نے انہین پلنگ پر سے اٹھا کر لحاف اڑا دیا۔ اور آپ کسی کام کو چلی گئین۔ سردی کا موسم تھا۔ ایک بلی گھر کر لحاف دیکھکر اسمین گھس آئی۔ شیخ صاحب کو جنکی غرغرہ کی آواز سے نہایت تکلیف ہوتی تھی۔ لیکن نہ ہٹا سکتے تھے نہ کسی کو پکار سکتے تھے۔ گھبرا گھبرا کر رہجاتے تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد والدہ باورچیخانہ سے واپس آئین۔ اور بلی کو ہٹایا۔ لوگ کہتے ہین کہ اسوقت شیخ صاحب کی عمر کوئی برس دن سے کم تھی۔ شاید دس بارہ دن کے تھے اور اس عمر کی بات انہین نہ بھولی یاد تھی۔ چنانچہ جب بڑے ہوکر انہون نے اپنی والدہ ماجدہ سے دریافت کیا تو انہون نے یاد کرکے اس واقعہ کی تصدیق کی۔ ایسی ہی ایک روایت یہ بھی سننے کی بابت بیان کیجاتی ہے۔ کہ جب وہ دو سال کا تھا تو کسی چور نے انکی ٹوپی چرالی۔ اتفاقاً تین سال کے بعد اس آدمی کو بلوا کر سبنے دیکھا اور جھٹ شناخت کرلیا۔ سرور آزاد صاحب لکھتے ہین کہ یہ واقعہ علم شعر کی تاریخ میں حیرت سے خود بیان کیا جاتا ہے۔ یہ واقعہ اور بھی عجیب ہے۔ اور بہت زیادہ تعجب آتا ہے۔ محققان علم فرینالوجی یعنی سر دوزخ کا قول ہے۔ کہ قوت حافظہ کے متعلق جو عضو دماغ میں ہے وہ جبتک بچہ دو تین سال کا نہ ہو لے اپنی کارروائی نہین کرسکتا۔ یہ اس علم کا مسلم اصول ہے۔ اگر اسکو درست مانا جائے۔ تو شیخ صاحب کی حافظہ کی روز سے ایشان مبالغہ معلوم ہوتی ہے۔ مگر اتنا تو ضرور کہونگا کہ انکا کلام انکی ذہانت اور ذکاوت کا کامل ثبوت اور دستاویز شہادت ہے۔

فصل دوسری

طبعی حالات اور عادات

میان ابراہیم کی تصویر ملاحظہ ہو۔
قد پستہ۔ رنگ سانولا۔ بدن نہ فربہ نہ دُبلا۔ مُنہ پر بڑے بڑے چیچک کے داغ تھے چہرہ کا نقشہ کھرا کھرا تھا۔ اور اگر چیچک نہ نکلتی تو شاید چہرہ کو بحالت مجموعی ملیح کہہ سکتے۔ مگر ۱ دفعہ چیچک نکلی جس نے نقش و نگار کی خوبی کو تہ و بالا کر دیا۔ آنکھین اگرچہ بڑی بڑی نہ تھین۔ مگر دور بینی کے نور سے منور تھین۔ سُستی یا کاہلی اُنمین نام کو نہ تھی۔ اور بدن مین ہر وقت پھرتی بھری جاتی تھی۔ چلتے بہت جلد تھے آواز بلند اور پُر تاثیر تھی۔ انکے پڑھنے کی طرز رونق کلام کو دو بالا کر دیتی تھی۔ شعر چاہے معمولی ہی ہو۔ مگر اس خوبی سے ادا کرتے تھے کہ سامعین کو داد دینی ہی بن پڑتی تھی۔ مشاعرہ مین اس جوش سے غزل پڑھتے تھے کہ محفل گونج اُٹھتی تھی۔ صفائی پسند انتہا درجہ کے تھے۔ اور لباس ہر وقت سفید رکھتے تھے۔ کپڑا مین ذرا مٹی یا کسی شے کا داغ لگا اور اُنہون نے بدلا۔ لفظ "درست" انکا تکیہ کلام تھا۔

شیخ جی کے مخالف اکثر ان پہبتان کہا کرتے تھے۔ ایکدن ایک شخص نے آپ کے پستہ قامت ہونے پر چوٹ کی۔ تو آپ ہنس پڑے اور فی البدیہ یہ شعر کہا ؎

آدمیت سے ہے بالا آدمی کا مرتبہ
پست ہمت یہ نہ ہووے پست قامت ہو تو ہو

ایک اور منہ پھٹ نے صاف اُنکے منہ پر کہدیا۔ کہ شیخ جی جب خدا خصوصی تقسیم کر رہا تھا۔ تو آپ کہان تھے اُنہون نے جواب دیا کہ مین اُسوقت اوج کمانکے پلنگ پر سویا ہوا تھا۔ اور بقائے دوام مجھے پنگھا جھل رہی تھی۔

حقہ پینے کی سخت عادت تھی۔ کسی وقت منہ سے حقہ الگ نہ ہوتا تھا۔ حتے کہ جب مکان ضرور جاتے تھے تو حقہ ساتھ لیجاتے تھے۔ اور تین چار چلمین بیت الخلا مین ہی پیتے تھے۔

صفائی پسند اسدرجہ کے تھے کہ وضو کے وقت ایک لوٹے سے برابر کلیان کئے جاتے تھے۔ ایکدن مولوی محمد حسین آزاد نے جو اُنکے شاگرد رشید ہین پوچھا کہ قبلہ ایک کلی نہ سہی دو سہی۔ ایک لوٹے سے برابر کلیان کرنے کی علت غائی کیا ہے۔ متاسفانہ طور سے جواب دیا کہ خدا جانے تمام دن کیا کیا بزلیات منہ سے نکلتی ہین۔ اسلیے جب خدا کا نام لیتا ہون تو منہ پاک کر لیتا ہون یہ کہا اور آنکھون مین آنسو ڈبڈبا کر فی البدیہہ مطلع ذیل پڑھا ؎

پاک رکھا اپنا دہان ذکر خدا سے پاک سے
کم نہین ہرگز زبان منہ مین تیرے مسواک سے

شیخ صاحب کا معمول تھا کہ رات کا کھانا دس گیارہ بجے کھاتے تھے کھانے سے فارغ ہو کر بادشاہ کی غزل درست کرتے تھے۔ اور غزل سے فراغت پاکر وہی ایک لوٹے پانی سے کلیان کرتے تھے۔ اور پھر ایک بجے تک رکوع و سجود مین مشغول رہتے تھے۔ اسکے بعد بستر استراحت پر دراز ہوتے تھے اور علی الصبح نماز کے وقت بیدار ہوتے تھے۔

شیخ علیہ الرحمتہ کا مکان نہایت تنگ و تاریک تھا۔ مگر یہ اُسمین خوش تھے۔ اس مکان کی انگنائی مین بدقت ایک چارپائی بچھتی تھی۔ اس انگنائی مین ایک چھوٹی سی کھری کھٹولی پر حقہ منہ سے لگائے بیٹھے رہا کرتے تھے۔ میلہ ہو یا عید کا دن ہو یا تہوار شیخ صاحب کو کسی کی شادی غمی سے سروکار نہ تھا۔ اور نہ کہین آتے جاتے تھے۔ اس تنگ مکان مین جسکو وہ قلعہ سے بہتر سمجھتے تھے ایسے بیٹھے کہ مر کر اُٹھے۔

اس زمانہ مین عموماً نواب زادون اور شریف گھرانونکے لڑکونکو کنکوے اُڑانے ستار بجانے اور بٹیر لڑانے کا بڑا شوق تہا۔ دیکھا دیکھی شیخ صاحب کو

بھی شوق پیدا ہو گیا۔ ایک دن اُن کے پیر میں کیلوا [illegible] گیا [illegible]
کو چسکا ہے۔ ایک ٹہنی اُن کا [illegible]
جس سے پشت اور سر میں سخت چوٹ لگی۔ مگر یہ [illegible]
ہوئی۔ جس سے ایسی توبہ کی کہ پھر کبھی [illegible]

چند دن علم موسیقی کا بھی شوق رہا۔ اور اس فن میں کچھ شد بود حاصل بھی کی۔ مگر قاندیس سے ایک صاحب کمال گویا آیا۔ اُس سے جب اُنکی ملاقات ہوئی تو اُس نے کہا کہ میاں تم تصحیح اوقات کرتے ہو۔ تمہیں اس کا مذاق قدرتاً نہیں عطا ہوا۔ اس فن کے سیکھنے والے کو کم از کم سو برس کی عمر چاہیے۔ یہ سنکر ان کا دل برداشتہ ہو گیا۔ اور یہ کہکر کہ سپاہی زادے سے ڈوم بننا کیا ضرور موسیقی کا شوق یک قلم چھوڑ دیا۔

میری رائے میں اُس گوّیے نے درست کہا۔ بعض علماء یورپ کے نزدیک موسیقی کا مدار ایک خاص عضو دماغ پر ہے جس کو اصطلاح فرینالوجی میں الحان کہتے ہیں۔ تاوقتیکہ یہ عضو بہر پور نہ ہو۔ انسان کبھی عمدہ موسیقی دان نہیں ہو سکتا۔ شیخ علیہ الرحمتہ میں یہ عضو کمزور تھا۔ اور چاہے وہ کتنی ہی کوشش کرتے اُنکو کبھی اس فن میں کمال حاصل نہ ہوتا۔ اُنکی طبیعت قدرت نے شاعری کے لیے ہی وضع کی تھی۔ اور بہتر ہوا کہ ظاہری اسباب بھی ایسے ہو گئے۔ جن سے اُنہوں نے اس میدان میں دل کھولکے اپنا کمال ظاہر کیا۔

میں اس بات کو کبھی نہیں مانتا۔ کہ جو موسیقی سیکھے وہ خواہ مخواہ ڈوم بنجاتا ہے۔ یہ فن فی نفسہ ایک بڑی قابل قدر اور پُر تاثیر شے ہے۔ اور مانند اُس لومڑی کے جس نے بلندی انگوروں کو دیکھ کے کہا تھا "ابھی کچے ہیں کون دانت کھٹے کرے۔" شیخ صاحب کا یہ قول کہ راگ سیکھکر انسان یا تو ڈوم کہاتا ہے یا عطائی کا خطاب پاتا ہے۔ محض اس وجہ پر مبنی تھا۔ کہ انکو اس فن میں دسترس حاصل نہ ہو سکی۔ ہندوستان میں یہ فن اسلیے مذلیل ہو گیا ہے کہ اس کو ناخواندہ اور رذیل لوگوں نے اختیار کر لیا ہے۔

شیخ مرحوم نے چند روز علم طب کی طرف بھی توجہ کی۔ مگر اسمیں جراحی فن قابلہ اور تشریح انسانی کے ادق مسائل کے لیے محنت شاقہ درکار تھی جو یہ برداشت نہ کر سکے۔ آخر یہ کہکر کہ ناحق نیم حکیم خطرہ جان بنکر کیا لونگا اسکو بھی چھوڑ دیا۔

اسکے بعد نجوم و رمل کا شوق ہوا۔ اگرچہ تقلیداً و نقلاً اسکے موضوع اعتقاد و نظر نا چاہتے۔ مگر شیخ علیہ الرحمۃ اکثر ٹالوں اور نجومیوں کی صحبت پسند کرتے تھے اور میرا ایسا خیال ہے کہ انکو ضرور اعتقاد تھا۔ پہلے پہل نجوم کا ایک صاحب کمال مغل پورے رہتا تھا۔ اُس سے نجوم کے مسائل حاصل کیا کرتے تھے۔ اور پھر کمہن بعل کے گنج مین جو تشی پنڈت تلسی رام سے ملکر جواب سوال کیا کرتے تھے۔ دلیل اسکی کہ انکو نجوم پر اعتقاد تھا یہ ہے کہ اسی پنڈت تلسی رام نے اُن سے کہا تھا کہ آپکی عمر حد ۶۷ یا ۶۸ سال کی ہوگی۔ چنانچہ جب ۶۷ سال کے ہوئے تو ہر دم غمگین رہا کرتے تھے۔ اور دو رات موت کا خیال اُنکے دل پر چھا رہتا تھا۔ اور قدرت خدا ملاحظہ کرو۔ کہ ۶۸ برس کی عمر مین ہی انتقال ہوا۔

شیخ کا مذہب شیعہ تھا۔ اور بڑے متقی اور پرہیزگار تھے۔ اور حتے المقدور کوئی نماز قضا نہ ہونے دیتے تھے۔ لیکن جب نقاہت سنّ عمر کے باعث ضعف جسمانی زیادہ ہوگیا۔ تو روزہ رکھنا چھوڑ دیا۔ پھر بھی کسی کے سامنے کھاتے پیتے نہ تھے۔

ایکدن طبیعت ناساز تھی۔ اور ملازم بھی نیا رکھا تھا۔ اسکو خبر نہ تھی کہ انکا کیا دستور ہے۔ وہ شربت نیلوفر کٹورے مین گھولکر وہین لے آیا۔ جب اُس نے کٹورا لاکر دیا۔ تو ہنس پڑے اور فی البدیہہ کہا ؎

پلائے آشکارا ہمکو کس کی ساقیا چوری
خدا کی گر نہین چوری تو پھر بندیکی کیا چوری

انکی رحمدلی بڑی مشہور تھی۔ کسی کو روتا دیکھتے تو انکے دل پر بھی رقت طاری ہو جاتی تھی۔ عمر بھر کبھی اپنے ہاتھ سے جانور ذبح نہین کیا۔ بلکہ جب کبھی راہ مین مرغ یا بھیڑ ذبح ہوتا دیکھتے تھے تو معاً منہ پھیر لیتے تھے۔ انکی رحمدلی اور خوف خدا کے بارہ مین بہت سی حکایتین اور لطیفے مشہور ہین جو اس موقع پر خالی از لطف نہ ہونگے۔

ایکدفعہ شیخ صاحب کو عالم شباب مین ایک مجرب اور سریع التاثیر نسخہ قوت باہ کا ہاتھ آیا۔ ارادہ کیا کہ اسکو بنائے۔ اُس نسخہ کی ایک جزو چالیس چڑیونکا مغز تھا انگنائی مین جال لگاکر تین چار چڑے پکڑے اور ایک تھیلے مین ڈالے۔ مگر ان بیزبانون کا چیخنا اور پھڑکنا دیکھکر دل بیقابو ہوگیا۔ اور خیال آیا کہ آخر ان مین

بھی تو جان ہے۔ ایک پل کی پل مزے کے لیئے چالیس بے گناہوں کو مارنا انسانیت سے بعید ہے۔ آخر خدا کو منہ دکھانا ہے۔ یہ کہا اور فوراً انکو آزاد کیا اور شیخ کو پہاڑ چیر کر پھینک دیا۔

ایکدن حافظ ویران جو انکے مشہور شاگرد تھے اور شیخ مرحوم دونوں نواب زینت محل کے مکان کے قریب جا رہے تھے کہ ایک زنبور شیخ مرحوم کی گردن پر آ بیٹھا اور ڈنک مارا۔ شیخ علیہ الرحمۃ شدت درد سے بیتاب ہو گئے۔ مگر زنبور کو مارا نہیں اوڑا دیا۔ حافظ ویران نے کہا کہ حضرت آپ نے اسکو مارا کیوں نہیں۔ فرمایا کہ مجھے یہی خیال آیا تھا۔ مگر ایک تھوڑی سی تکلیف کے لیئے اسکی عزیز جان لینی مناسب نہ سمجھی اور یہ شعر پڑھا ؎

نہ چھوڑی ہمنے سلامت روی کی چال کبھی
چلے جو راہ میں چیونٹی کو بھی سنبھال چلے

ایکدن اسی طرح گھر میں سانپ نکلا۔ لوگ مارنے دوڑے۔ آپ نے منع کیا اور جب وہ سوراخ میں چلا گیا تو پیچھی طرح سے اس سوراخ کو پھوا دیا۔ وہ ہی حافظ ویران اسوقت اتفاق سے پاس بیٹھے تھے۔ انکو سخت تعجب ہوا اور کہا حضرت آپ نے غضب کیا موذی کو نہ مارا۔ شیخ ابراہیم نے جواب میں یہ قطعہ پڑھا ؎

چہ خوش گفت فردوسی پاک زاد
کہ رحمت بر آن تربت پاک باد
میازار موری کہ دانہ کش است
کہ جان دارد و جان شیریں خوش است

حقیقت میں شیخ صاحب کی رحمدلی حد اعتدال سے متجاوز تھی۔ رحمدلی بیشک ایک اعلےٰ صفت ہے۔ مگر نہ اسقدر کہ موذی کو قبل از ایذا ہلاک نہ کیا جائے۔ مانا کہ بغیر حکم خدا کچھ نہیں ہو سکتا۔ مگر کوشش شرط لازمی ہے۔ تصوف کے امام پیغمبر سخن حضرت شیخ سعدی شیرازی فرماتے ہیں ؎

بے اجل گر کسے نہ خواہد مرد
تو مرو در دہان اژدرہا

ایسی بھی رحمدلی نہین چاہیئے کہ جسمین اپنی جان کے لالے پڑ جائین۔
شیخ مرحوم جتنے رحمدل تھے اُتنے ہی نیک نیت بھی تھے۔ اُنکے دلمین کسیکی طرف سے کھوٹ نہ تھا۔ اگرچہ ظاہرا اپنے حریفون اور ہمعصر شاعرون سے نوک جھوکین اکثر ہوا کرتی تھین۔ مگر یہ سب باتین بزم مشاعرہ تک محدود تھین۔ اسکے بعد اُنکے دلمین کسی کیطرف سے کینہ نہین رہتا تھا۔ اُنکا معمول تھا کہ وظیفہ سے فارغ ہوکر دعا ضرور مانگا کرتے تھے۔ سب سے پہلے سلامتی ایمان پھر تندرستی جان۔ پھر عزت وحرمت کی دعا مانگتے تھے۔ اسکے بعد بادشاہ کی جان و مالکے لئے دعائین مانگتے تھے۔ اسکے بعد اپنے لڑکے اسمعیل کے لئے ہاتھ اُٹھاتے تھے اور آخر کار اپنے جملہ دوستونکی بہبودی خُدا سے چاہتے تھے۔ ایکدفعہ مولوی آزاد کے والد اُنکے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ اور یہ سرگرم دعا تھے۔ جب درجہ بدرجہ سب کے حق مین دعا مانگ چکے تو اخیر مین کہنے لگے "الہی یہ جو میرے دروازہ کے سامنے جمان حلال خور رہتا ہے اُسکا بیل سخت بیمار ہے۔ الہی اُسے بھی شفا دیدے بیچارا بڑا غریب ہے۔ بیل مرجائیگا۔ تو یہ بھی مرجائیگا" آزاد کے والد یہ سنکر بے اختیار ہنس پڑے۔ اور کہنے لگے۔ شیخ جی کیا اسوقت انجیل مقدس کے دس احکام تو یاد نہین آگئے۔ منجملہ جنکے ایک حکم یہ ہے کہ اپنے پڑوسی کو اپنے جیسا سمجھ۔
شیخ ابراہیم اگرچہ متانت کو ہمیشہ مدنظر رکھتے تھے اور اکثر سنجیدگی اور تھوڑا بولنا پسند کرتے تھے۔ مگر اُنکی طبیعت مذاق اور ظرافت کی چاشنی سے محروم نہ تھی اور اکثر اپنے چیدہ چیدہ دوستونکے ساتھ ظرافت آمیز گفتگو کیا کرتے تھے۔
ایکدفعہ موسم برسات مین بادشاہ قطب مین تھے۔ یہ بھی ساتھ تھے۔ حافظ ویران نابینا بھی ساتھ تھے۔ یہ بیٹھے قصیدہ لکھ رہے تھے۔ کہ ایک چڑیا حافظ ویران کے سر پر آبیٹھی۔ حافظ جی نے ہاتھ سے اُڑا دیا۔ تھوڑی دیر مین وہ پھر آبیٹھی۔ حافظ نے غصہ مین سر پر ہاتھ مارا تو چڑیا تو اُڑ گئی۔ مگر فرقدان پر صدمہ پہنچا۔ شیخ مرحوم کھل کھلا کر ہنسے اور کہا غیبانی حافظ جی کا سر نہ ہوا کہ پتھرون کی چھتری ہوا۔ کچھ خبر بھی ہے یہ ملا ہین۔ عالم ہین۔ حافظ ہین ابھی۔ احل لکم الصید کی آیت پڑھکر کلوا واشربوا بسم اللہ اللہ اکبر کردینگے۔ محبوب علی خان خواجہ سرائے نے جو سرکار شاہی مین مختار تھے۔ مگر مشہور قمار باز تھے کسی بات سے ناراض ہوکر حج کا ارادہ کیا۔ کسی نے شیخ علیہ الرحمۃ سے بھی آکر کہا کہ خواجہ صاحب

لطیفہ اسنہ جانتے ہیں۔ شیخ مرحوم مسکرائے اور تھوڑی دیر تامل کے بعد یہ مطلع پڑھا ؎

جو دل تمہارا خدا نہیں بت سے لگا چکے
دو کعبتین چھوڑ کے کعبہ کو جا چکے

دیوان چندو لال نے آپ کا کلام سنکر مصرع طرح بھیجا اور بلا بھیجا۔ آپ نے غزل کہہ کر بھیجی اور مشاعرہ میں کہا ؎

آج کل گرچہ دکن میں ہے بڑی قدر سخن
کون جائے ذوق پر دلی کی گلیاں چھوڑ کر

مولوی آزاد نے پوچھا کہ قلعہ نہ جانے کا باعث کیا ہے۔ تو فرمایا بہ خوردار "گھر کی آدمی نہ باہر کی سواری" اور پھر یہ نقل سنائی۔ نقل۔ ایک لکھنوی دلی تشریف فرما ہوئے۔ کوئی دس بیس دن رہے مگر طبیعت نہ لگی۔ آخر رخصت ہوئے اتفاقاً ایک کتا جسکا نام موتی تھا۔ ان سے مل گیا تھا۔ بچارہ وفا کا مارا ساتھ ہو لیا شاہدرہ پہنچکر دلی باد آئی۔ اور رہ گیا۔ لکھنوی میاں نے لاکھ جتن کئے کہ کسی طرح یہ کتا ساتھ چلے مگر اسکے سر میں دلی کی دھن سمائی تھی اس نے ایک نہ سنی۔ میاں موتی نے دیکھا کہ شاہدرہ کے کتے گردنیں فربہ اور بدن تیار خوب چکنے چپڑے نظر آتے ہیں۔ ایک کتا موتی کو دیکھکر بہت خوش ہوا۔ اور اسے دلی دال سمجھکر کمال خاطر مدارات کی۔ حلوائیوں کے بازار میں لیگیا۔ حلوائی کی دوکان سے ایک بالوشاہی اوٹھا کر سامنے رکھدی۔ نان بائی کی دوکان سے ایک کلچہ جھپٹا۔ میاں موتی خوب ضیافتیں کھاتے اور دلی کی باتیں سنتے تھے۔ تیسرے دن رخصت کے طلبگار ہوئے۔ انکے دوست نے روکا۔ میاں موتی نے دلی کی تعریف میں پل باندھ دیئے۔ اور کہا کہ یار آتا اور ضرور آتا۔ میاں موتی کی لسانی نے ان کے یار کو ایسا دلدادہ کیا کہ شوق دلایا۔ چند دن کے بعد انکے ساتھ وعدہ کیا کہ دلی کا رخ کیا۔ سب سے پہلے مرگھٹ کے کالے کتے کو خوشخبری سنائی۔ وہ دوڑے دوڑے آئے۔ میاں موتی نے بھونکنے دریافت کیا۔ آپ کچھ۔ دیر تک سوچتے رہے آخر کو دوڑ پڑے۔ میاں موتی کو پار پہنچے۔ میاں موتی کو دیکھکر کتوں سے بچ بچا کر کوئی گیارہ کے دوست سے ملے۔ میاں موتی شہر کے بنے ہوئے کہنے لگے قدم رنجہ چشم ؎

وہ آئین گھر مین تمہارے خدا کی قدرت ہے
کبھی ہم انکو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہین۔

مگر جی بہت خوش تھے کہ شکر ہے رات کو آئے ورنہ ساری قلعی کھل گئی تھی۔ لئے مہمان کو لیکر ادہر ادہر پھرنے۔ یہ چاندنی چوک ہے۔ یہ جامع مسجد ہے۔ یہ دریبہ ہے۔ مہمان نے کہا یار سیر تو پیچھے بھی ہو جاویگی فی الحال کچھ بھوک کا علاج کرو میرے دم مین دم نہین۔ موتی بولے واہ تو پہلے کیون نہ کہا۔ اب کیا ہو سکتا ہے۔ اتنے مین جامع مسجد کی سیڑھیون پر جو جا نکلے تو کیا دیکھتے ہین کہ جانی کبابی مرچون کی ہانڈی بہو لگیا ہے۔ بہت خوش ہوئے اور کہا یار تو خوش قسمت مہمان دن بہر کا بہوکا تھا منہ پہاڑ کر گرا۔ اور ساتھ ہی منہ سے مغز تک گویا باروت اوڑ گئی۔ چھینک کر پیچھے ہٹا۔ اور چلا کر بولا۔ واہ یہی دلی ہے! میان موتی نے کہا۔ اس چٹخارے ہی کے مارے تو پڑے ہین۔

شیخ مرحوم رقیق القلب بہی بہت تھے۔ ذرا سی بات کا انکو دیر گھنٹون اثر رہتا تہا ایکدن حضور مین گئے۔ وہ محل مین تھے وہین بلوا بہیجا۔ اور کہا آج تمہارا قصیدہ یاد آیا۔ واللہ آپ نے بڑے بڑے شاعرون کے قلم توڑ دیئے۔ مگر آج ہمارے لئے قصیدے کہتے ہو جب ہم مر جائینگے تو جو تخت پر بیٹھے گا اسکے لئے کہو گے۔ انہون نے عرض کی کہ حضور کا تردد بیجا ہے۔ خیمہ پیچھے گرتا ہے۔ میخین اور طنابین پہلے ہی اکھڑ جاتی ہین حضور کی عمر صد و بست سالگی ہو ہم حضور سے پہلے ہی اٹھ جائینگے حضور دیکھین کہ عرش منزل کے امرا فردوس منزلین کہان تھے۔ فردوس منزلکے اعیان سلطنت اور امیر عرش آرامگاہ مین کہان ہین۔ یہ کہکر گھر آئے اور دیر تک روتے رہے۔ اتنے مین محمد حسین آزاد آ گئے۔ اور استاد کو روتا دیکھکر سبب دریافت کیا۔ جواب ملا کہ ہم ہمیشہ نماز کے بعد حضور کی سلامتی جان وغیرہ کی دعائین مانگتے ہین۔ خدا شاہد ہے۔ اپنا خیال اس طرح آجتک کبھی نہین آیا۔ اور وہان حضور کو ہمارا خیال بہی نہین۔ مہمان دینا اپنے مطلب کی ہے۔ کوئی کسی کا نہین جسطرف دیکھو نفسی نفسی کی پکار ہے۔

سراسر خلائق چہ مرد و چہ زن
ہمہ طالب مطلب خویشتن ✦

ادب ایک ایسا وصف ہے کہ دشمن کو دوست بناتا ہے۔ ادب انسان کا زیور ہے۔

ادب تمغہ شرافت ہے۔ ادب جوہر اہلیت ہے۔ ادب نسخہ تسخیر ہے۔ چنانچہ مثل مشہور ہے با ادب بانصیب۔ بے ادب بے نصیب۔ مگر افسوس ہے۔ یہ صفت جیسی کہ چاہیئے ویسی شیخ صاحب مرحوم مین نہ تھی۔ شیخ صاحب اپنی لیاقت کے روبرو فرشتہ کا بھی وجود نہ سمجھتے تھے۔ اور یہ بات اکثر عوام الناس کو بُری معلوم ہوتی تھی۔ چنانچہ شیخ مرحوم پہلے حافظ غلام رسول شوق کے شاگرد ہوئے۔ اور وہ اُن سے ناراض ہوئے اسکے بعد انہون نے شاہ نصیر کی شاگردی اختیار کی۔ اور اُن سے تو کھلم کھلا معرکہ آرائی کی۔ مانا کہ یہ بڑے لائق تھے۔ اور ذہانت خداداد کی رسائی سے شاگردون پر سبقت لیگئے تھے۔ مگر اُنہون نے علانیہ طور پر اُن سے مقابلہ کرکے اپنی شہرت کے دامن پر ایسا دھبہ لگا لیا۔ جو نہ کبھی مٹا نہ مٹیگا۔ مولوی آزاد نے حق شاگردی ادا کرکے اس بات پر پردہ ڈالنا چاہا ہے۔ مگر اسمین اُنکو کامیابی نہین ہوئی۔ تالی دونون ہاتھون سے بجتی ہے۔ اگر شاہ نصیر نے اُن سے اچھا برتاؤ نہین کیا تھا تو یہ کنارہ کرتے اور اُنکے منصب اُستادی کا ہر حالمین خیال رکھتے۔ انکو اپنی لیاقت ظاہر کرنے کے اور سینکڑون ڈھنگ یاد تھے۔ جب چاند چڑھتا ہے تو تمام عالم دیکھتا ہے انکی لیاقت انکی ناموری اور اُنکا کمال ایسا نہ تھا کہ شاہ نصیر کے چھپانے سے چھپ جاتا۔ کیا عجب تھا کہ اگر یہ فرزندانہ اور شاگردون کا سا سلوک کرتے مجاتے تو شاہ نصیر اپنی حرکت ناشائستہ سے اگر کوئی تھی تو خود منفعل اور پشیمان نہ ہوتے۔ مگر شیخ مرحوم نے جوش جوانی مین حق شاگردی بالائے طاق رکھا۔ اور مشاعرہ عام مین مقابلہ پر کھڑے ہوگئے۔

مولوی آزاد آبحیات مین لکھتے ہین۔ کہ ایکدن نواب الہی بخش خان نے اُستاد مرحوم کو بلوا بھیجا۔ اتنے مین حافظ غلام رسول شوق یعنے اُستاد مرحوم کے قدیمی اُستاد بھی اُسی وقت آنکلے۔ نواب اُنہین دیکھکر مسکرائے اور اُستاد مرحوم نے اُسی طرح سلام کیا جو سعادتمند شاگردون کا فرض ہے۔ وہ اُن سے خفا رہتے تھے کہ شاگرد میرا مجھے غزل نہین دکھاتا۔ شیخ مرحوم نے وہان ٹھہرنا مناسب نہ سمجھا۔ اور رخصت چاہی۔ حافظ جی نے اپنی غزل پڑھنی شروع کردی۔ نواب نے چپکے سے کہا۔ کان بدمزہ ہوگئے۔ نہ کوئی اپنا شعر سناتے جاؤ۔ اُستاد مرحوم نے دو مطلع پڑھے۔

جینا نظر اپنا ہمین اصلا نہین آتا

گر آج بھی وہ رشک مسیحا نہیں آتا
مذکور تیری بزم میں کس کا نہیں آتا
پر ذکر ہمارا نہیں آتا نہیں آتا

میں پوچھتا ہوں کہ جب اُنکے قدیمی اُستاد تشریف لائے تھے تو اُنہوں نے ٹھہرنا مناسب کیوں نہ سمجھا۔ کیا اُنکو حافظ شوق کے اشعار ایسے بُرے معلوم ہوتے تھے۔ کہ اُنکو سننا تضیع اوقات سمجھتے تھے۔ اگر اُنکی تضیع اوقات بھی تھی تو سعادتمندی اسی امر کی مقتضی تھی کہ جب اُن کا اُستاد غزل پڑھنے لگا تھا تو ہرگز نہ اُٹھتے۔ اور حتے المقدور اُنکی تعریف کرتے۔ جب کوئی شخص تقریر کر رہا ہو یا لکچر دے رہا ہو۔ تو جبتک وہ شخص خاموش نہ ہو لے وہاں سے چلا آنا اخلاق سے بعید اور بے ادبی سمجھا جاتا ہے۔ چہ جائے کہ یہاں تو اُنکا اُستاد غزل سُنا رہا تھا۔ اور اُستاد بھی وہ جس نے اُنہیں الف ب سکھائی۔ شیخ مرحوم کو چاہئے تھا کہ دل سے اُستادوں کی تعظیم و تکریم کرتے۔ تعظیم التعظیم محض اُنکی ظاہرداری تھی۔

میں یہ نہیں کہتا کہ شیخ علیہ الرحمتہ کے دل میں شاہ نصیر یا حافظ غلام رسول کیطرف سے کوئی عداوت تھی۔ نہیں ہرگز نہیں۔ اُنکا دل کینہ کی آلائش سے صاف تھا۔ نقص صرف اتنا تھا کہ اُن کا جوش جوانی اور اُنکی ذاتی لیاقت اُنکو کسی سے رہنے نہ دیتی تھی۔ اور اسی وجہ سے حافظ شوق تو اُن کی صورت سے بیزار تھے۔

آزاد کا یہ عذر کہ حافظ شوق اس وجہ سے ناراض تھے کہ میں اُنکو بھی غزل نہیں دکھاتا قابل پذیرائی نہیں ہے۔ اصلاح کی ضرورت اوائل عمر اور ابتدائی مشق میں ہوا کرتی ہے۔ جب انہوں نے اپنی محنت اور ذاتی جوہر سے وہ لیاقت بہم پہنچائی تھی کہ اُنکا کلام کسی اصلاح کا محتاج نہ تھا اور کبھی مشاق خود اُن سے اصلاحیں لیتے تھے تو مجھے یقین نہیں آتا۔ کہ حافظ غلام رسول جیسا شخص ایسی بیہودہ وجہ پر خفا ہو جاتا۔

پس اصل معاملہ یہ ہے کہ انہیں بہتا جلد اُستادوں کی ضرورت نہ رہی اور اپنی خداداد لیاقت کے باعث اُستادوں پر سبقت لے گئے۔ جس سے اُنکو ایک قسم کا رشک ہوا۔ اگر شیخ موصوف بُردباری اور تحمل سے کام لیتے تو ان کے اُستاد بجائے اسکے کہ اُن سے معرکہ آرائی کرتے۔ اُنکی شاگردی سے فخر کرتے اور اُنکی اُستادی پر نازاں ہوتے۔

شیخ مرحوم کا ہمیشہ توکل پر بھروسہ تھا۔ اور رضینا بالقضا کے اصول کو ہمیشہ مدنظر رکھتے تھے اور اکثر کہا کرتے تھے ؎

اے قناعت تو نگرم گردان
کہ ورائے تو ہیچ نعمت نیست
گنج صبر اختیار نقصان است
ہر کہ را صبر نیست حکمت نیست

اُنہون نے کبھی بادشاہ سے ترقی جاہ و منصب کا سوال نہین کیا۔ اور جو اُنہون نے خود بخود بخشا اُسی پر قانع رہے۔ جب ابوظفر بادشاہ ہو کر بہادر شاہ ہوئے۔ تو مرزا مغل بیگ کی کارستانی سے شیخصاحب کی تنخواہ صرف ۵۳ روپیہ ماہوار مقرر ہوئی۔ یہ بات شیخصاحب کو ناگوار گذری۔ اور دل شکستہ ہو کر اس امر کی میان عبدالعزیز خان صاحب سے جو فراشخانہ کی کھڑکی رہتے تھے اور ایک مرد مرتاض تھے اور اُنکو اُن سے بہت اعتقاد تھا شکایت کی۔ اسپر اُنہون نے اِنکو قناعت کا سبق پڑھایا اور کہا جو قسمت مین لکھا ہے وہ بہر صورت مل رہے گا ؎

آنچہ نصیب است بہم میرسد
گر نستانی بستم میرسد

شیخصاحب نے اُنکی ہدایت کو تسلیم کیا اور پھر کبھی شکایت نہین کی۔

فضل تیسری

نشو و نمائے شاعری

اسی مکتب مین میر کاظم حسین نام ایک اِنکے ہمعصر اور ہم سبق تھے کہ نواب

سید رضی خان مرحوم کے بہانجے تھے۔ بیقرار تخلص کرتے تھے۔ شیخ مرحوم اور اُنھیں بہت دوستی تھی۔ اور اتحاد طبعی کے باعث اکثر اکٹھے رہتے تھے۔ دونوں مشق کے میدان مین ملکر گھوڑے دوڑاتے تھے۔ اور حافظ غلام رسول سے اصلاح لیتے تھے۔ حافظ جی کا تخلص شوق تھا۔ اور اسی رعایت سے شیخ مرحوم نے ذوق تخلص اختیار کیا۔

میر بیقرار۔ اور شیخ ذوق یون تو حافظ شوق سے اصلاح لیتے تھے۔ مگر یہ اصلاح اُنکے خاطر خواہ نہ ہوتی تھی۔ رفتہ رفتہ اُنکے دلمین یہ بات سما گئی کہ حافظ شوق کو جو کچھ شد بود آتا تھا وہ تو سیکھ لیا اب کسی اور لائق شخص کی شاگردی اختیار کرین۔

مولوی آزاد نے آبحیات مین شیخ مرحوم کی تیزی طبع دکھانے کے لیے اُن کی ابتدائی مشق کا ایک شعر لکھا ہے۔ جو بطور نمونہ سمجھنا چاہیے وہ شعر یہ ہے ؎

ماتھے پہ تیرے جھمکے ہے جھومر کا پڑا چاند
لا بوسہ چڑھے چاند کا وعدہ تھا چڑھا چاند

شیخ مرحوم ابھی مبتدی تھے اور بیشک یہ شعر اُنکے ذہن کی جودت اور طبیعت کی براقی ظاہر کرتا ہے۔ مگر ایکدن کا ذکر ہے کہ میرے ایک عزیز دوست حکیم امین الدین بر سٹر ایٹ لا مجھے ملنے آئے۔ اور اتفاق سے مین نے یہ شعر اُنکے روبرو پڑھا۔ وہ بھی مشہور شعر فہم ہین۔ اُنکی یہ رائے تھی کہ یہ شعر معمولی ہے اور کوئی ایسے بڑے پائے کا نہین ہے۔ وہ کہنے لگے۔ کہ لفظ "پڑا" پہلے مصرعہ مین بڑا کرخت ہے اور "جھمکے" ایک ایسا زیور ہے کہ صرف کان مین پہنا جاتا ہے اور ماتھے پر جھومر کے ساتھ اِس لفظ کا استعمال اسکو ذو معنے نہین بناتا۔ دوسرے مصرعہ کی بابت اُنھون نے یہ کہا کہ عاشق کی زبان سے قرضخواہون کے لہجہ مین تقاضا نہین سجتا اور ایک اَنہونی بات ہے۔ مگر میرا اُن سے اتفاق نہین۔ میری یہ رائے ہے کہ ایک مبتدی کے منہ سے ایسے شعر کا نکلنا بیشک اُسکی براقی طبیعت کی دلیل ہے۔

شیخ مرحوم کے خیال مین جب یہ بات سما گئی کہ کسی اچھے مشاق کی شاگردی ضروری ہے تو اُنکو اِس قسم کے آدمی کی تلاش ہوئی۔ اتفاقاً ایکدن میر کاظم

حسین بیقرار نے غزل لاکر سنائی جسکے اشعار گرم تھے اور کل غزل بھڑکتی ہوئی تھی۔ شیخ مرحوم نے کہا میر صاحب اسمین تو کسی مشاق نے کاریگری کی ہے حافظ جی کا یہ دماغ نہین کہ ایسی اصلاح دیسکین۔ اُنہون نے کہا ہم تو شاہ نصیر کے شاگرد ہوگئے ہین۔ اور اُنہین سے یہ اصلاح لی ہے۔ شیخ مرحوم کو بھی اشتیاق ہوا۔ اور میر صاحب کی وساطت سے شاگرد ہوگئے۔

شاہ نصیر ایک مشہور و معروف شاعر ہوئے ہین۔ اصل نام انکا نصیر الدین تھا مگر چونکہ رنگت نہایت سیاہ تھی عرف انکا سیان کلو تھا۔ زبردست شاعر۔ اور کہن سال مشاق تھے۔ انکی شاعری نے دکھن مین شعر گوئی کے شوق کو جو بجھے ہوئے چراغ کیطرح بالاے طاق پڑا تھا پھر روشن کیا۔ لکھنو مین سید انشا۔ مصحفی اور جرأت کے معرکون مین شریک ہوئے۔ اور جہان گئے وہین دولت کے فرشتے نے انکی ضیافت کی۔ اور جس جگہ ٹھہرے وہین انکے علم اُستادی کے سایہ تلے سینکڑون شاگرد جمع ہوگئے۔ شاہ صاحب کی بدیہہ گوئی اور حاضر جوابی نے خاص و عام کو تسخیر کر رکھا تھا۔ اور کیا مجال کہ انکی چست کلام مین ذرا بھی سستی کا نشان ہو۔ اصلاح نہایت جلد دیتے تھے۔ اور یہ اصلاح برجستہ ہوتی تھی۔ شاہ صاحب کی تیزی طبع کا نمونہ اس غزل سے ظاہر ہے۔

غزل

زیب تن گرچہ ہے گل پیرہن سُرخ تیرا
لیکن انجام یہ ہوگا کفن سُرخ تیرا

مجھکو کہتا ہے وہ نکلا ہے شفق مین چاند
یا نمودار ہے زخم کہن سُرخ تیرا

دسترس پاؤن تک اُس شوخ کی تجھکو کہتے یہان
کیونکہ رُتبہ نہ ہوا ہے گلبدن سُرخ تیرا

ہے میری آہ یہان نخل گلستان خلیل
سُرخ گلنار وہان ہے چمن سُرخ تیرا

شیشۂ بادۂ گلرنگ پٹک دے ساقی
جامۂ سبز مین دیکھے جو تن سُرخ تیرا

آستین سے یہ لگا کہنے وہ تلوار کو پونچھ
بن گیا موج یم خون شکن سُرخ تیرا

اشک نیلم ہی نہین رنگ مسی کی یہ نمود
لب بھی ہے عزت لعل یمن سُرخ تیرا

سچ بتا تو مجھے سوفار خدنگ قاتل
لہو کس کس کا پیے گا دہن سُرخ تیرا

خاک یا ہم ہو شرارت سے ہم آغوش تصیر
صاف ہے شعلۂ آتش بدن سرخ تیرا

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاہ صاحب نے یہ غزل لکھنؤ میں لکھی تھی اور شاید اُس معرکہ کی غزل ہے جسمیں مصحفی بھی موجود تھے مصحفی کی غزل بھی قابل ملاحظہ ہے چیدہ چیدہ اشعار لکھتا ہوں پورا سہ غزلہ لکھنے کی گنجائش نہیں ہے۔

صاف خوبی سے عیاں ہے بدن سرخ تیرا
اک تو تھا آتش سوزان بدن سرخ تیرا

واسطے ناکامی کے عاشق کو بری ہوتی ہے
تاکہ خون شہیدوں کے بہے گلبدن میں

خون سے آلودہ ہوتا ہے ترے شاک سفید
آتش تیز میں ٹھہرا ہے کہیں تن بھی سپند

پان کھانیکی ادا سے ہے تو اک عالم کو
کوئی خورشید شفق رنگ کو دیتا ہے فشار

سرخ عیار سے تو کم نہیں اے دزد حنا
تو اگر نافۂ آہو ہے تو اے عقدہ زلف

اُسکے موباف سے بھی شانہ نے شب پوچھا تھا
پان کھا کر جو مسی زیب کئے تو نے دو لب

نہیں چھپتا نہ شبنم چمن سرخ تیرا
شعلہ پہ شعلہ ہوا پیرہن سرخ تیرا

قابل بوسہ ہوا جب دہن سرخ تیرا
جب سے پاجامہ بنا گلبدن سرخ تیرا

نام ہم کیوں نہ رکھیں یاسمن سرخ تیرا
کہہ رہا ہے یہی خال ذقن سرخ تیرا

خون رولا دیگا میری جان ہن سرخ تیرا
پنجۂ رشک سے سیب ذقن سرخ تیرا

کف رنگین بتاں سے دہن سرخ تیرا
ہے دو رخسارۂ رنگین صنم سرخ تیرا

دام شبرنگ ہے کیوں اے رسن سرخ تیرا
بن گیا مرغ سنبل دہن سرخ تیرا

مصحفی زخم ہے تیشہ کا ترے ہر مو پر
نام ہم کیوں نہ رکھیں کوہکن سرخ تیرا

دونوں صاحبوں کے اشعار موجود ہیں اہل لیاقت دونوں کی طبیعتوں کا اندازہ کر سکتے ہیں۔ غرض اس رتبہ کا وہ شخص تھا جسکے شاگرد شیخ مرحوم میر بیقرار کے ساتھ جا کر ہوئے شیخ مرحوم کی طبیعت اگر خالص سونا تھی تو شاہ صاحب اُسکے حقمین ایک کار گر زر گر ہوئے شیخ مرحوم کی طبیعت اگر آبنہ تھی تو شاہ صاحب اُسکے حقمین صیقل ثابت ہوئے۔ اگر شیخ کی طبیعت کو ایک منہ زور گھوڑے سے تشبیہ دیں تو شاہ صاحب نے ایک تجربہ کار چابک سوار بنکر اُسکو سدھارا۔

اگر کوئی شخص یہ کہے کہ شیخ مرحوم قدرت سے ایسی طبیعت لیکر پیدا ہوئے تھے۔ جو اصلاح کی محتاج نہ تھی تو مین کبھی نہین مانتا۔ جسقدر مبتدی زیادہ تیز و طباع ہوتا ہے اُسی قدر زیادہ اُستاد کا محتاج ہوتا ہے۔ بعینہ جیسے ہونہار بچھیرا جبتک اچھے چابک سوار کے کوڑے تلے نہ نکلے جوہر نہین نکالتا۔ بلکہ بے ڈھنگا ہو جاتا ہے اسی طرح تیز اور نوجوان طبیعت زبردست اُستاد کے قلم اصلاح کی بہر صورت مین محتاج ہے۔ البتہ اگر کوئی مبتدی کُند ذہن یا طبیعت کا بہدا ہو۔ تو اُستاد کی محنت رائیگان جاتی ہے۔ مگر ذہین اور طباع کے لئے یہ لازم و ملزوم ہے۔

یہ سلسلۂ اصلاح تھوڑی مدت جاری رہا۔ مشاعرون مین غزلین پڑھی جاتین تھین اور قدردانونکی قدردانی بلند پروازیونکے پر لگاتی تھی۔ مگر تھوڑے عرصہ کے بعد یہ پلٹ گئے۔ اور اُستاد شاگردون مین بگڑ گئی۔ اس بگاڑ کی نسبت دو روایتین ہین مولوی محمد حسین آزاد تو یہ لکھتے ہین۔ کہ رشک جو تلامیذ الرحمن کے آئینونکا جوہر ہے اُستاد شاگردون کو چمکانے لگا۔ بعض موقع پر ایسا ہوا۔ کہ شاہصاحب نے انکی غزل کو دیکھکر بے اصلاح پھیر دیا۔ اور کہا کہ طبیعت پر زور ڈالکر کہو۔ کبھی کہدیا کہ یہ کچھ نہین پھر سوچ کر کہو بعض غزلون مین جو اصلاح دی تو بے ادائی پائی گئی۔ چنانچہ اس طرح کئی دفع غزلین پھیرین بہت سے شعر کٹ گئے۔ اور زیادہ تر قباحت یہ ہوئی کہ شاہصاحب کے صاحبزادے شاہ نجم الدین منیر جو براقی طبع مین اپنے والد کے خلف الرشید تھے انکی غزلون مین توارد سے یا خدا جانے کس اتفاق سے وہی مضمون پائے گئے۔ اسلئے انہین زیادہ رنج ہوا۔

لیکن راقم جب محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کی تقریب مین دلّی گیا تو ایک معتبر شخص نے مختلف روایت بیان کی۔ کہ لوگونکی واہ واہ نے شیخ مرحوم کے دلمین یہ خیال پیدا کر دیا کہ انکا کلام کسی کی اصلاح کا محتاج نہین اور اکثر جب غزل اصلاح کے لئے پیش کیا کرتے تھے تو کہا کرتے تھے اُستاد یہ غزل بڑی عرقریزی سے کہی ہے اگر کوئی شعر کٹ گیا۔ تو کلیجہ نکل پڑیگا۔ یہ باتین شاہصاحب کو ناگوار گذرین ادہر انہین یارون نے چمکا دیا۔ رفتہ رفتہ طرفین کے دلون مین گرہ بیٹھ گئی۔ اسکے ساتھ غضب یہ ہوا کہ شاہ نجم الدین منیر اور شیخ مرحوم مین بمقتضائے سن تکرار ہو پڑا۔ منیر مرحوم کو یہ دعوے تھا کہ جس غزل پر ہم قلم اُٹھائین اُس زمین مین کون قدم رکھ سکتا ہے۔ مشکل سے مشکل ادق سے ادق طرحین کہتے تھے اور کہتے تھے

ایکدن ہنگام بحث شیخ مرحوم نے کہا گھر کے کہے ہوئے شعر صحیح نہیں آپ اُستاد سے کہوا لاتے ہیں۔ اگر مرد میدان ہو تو میدان میں آوے تاکہ جلسۂ عام میں فیصلہ ہو جاوے۔

پرانے فیشن کے بزرگوار جس قدر اُستاد کی عزت اور رسے کرواتے ہیں اُسی قدر اُستاد کے لڑکوں کی بھی چنانچہ اُستاد کے لڑکے خلیفہ کے نام سے پکارے جاتے ہیں اور ہمیشہ واجب التعظیم سمجھے جاتے ہیں جب سے مغربی روشنی نے اپنا ظہور دکھایا ہے۔ یہ رواج منسوخ ہو گیا ہے۔ اس خیال سے شاہ نصیر کو اِنکا علانیہ منیر مرحوم سے جو اُنکے خلف الصدق تھے معرکہ آرائی کرنا سخت ناگوار گذرا۔ اور یہ بھی ایک ناچاقی کی وجہ ہوئی۔ غرض منیر مرحوم۔ اور شیخ علیہ الرحمتہ کے مقابلہ کے لئے ایکدن مقرر ہوا۔ بہت سے لوگ جمع ہوئے۔ طرفین کے طرفدار موجود تھے۔ جلسۂ عام میں مصرع طرح دیا گیا۔ اور دونوں پہلوان طبع آزمائی کے اکھاڑہ میں خم ٹھونک آکھڑے ہوئے۔ اُس معرکہ کی منیر مرحوم کی غزل تلاش کی گئی نہیں ملی شیخ مرحوم کی غزل کا مطلع تھا ؎

یہاں کے آنے کا مقرر فاصلہ وہ دن کرے
جو تو مانگے گا وہی دونگا خدا وہ دن کرے

اگرچہ شیخ مرحوم کی تیغ زبان ایک تیغ جوہر دار تھی۔ مگر اسوقت پٹ پڑی وجہ اِس کی یہ تھی کہ منیر مرحوم کے بہت سے طرفدار موجود تھے۔ اور وہ خود بھی اُستاد زادہ اور بارسوخ شاعر تھا۔ اور ادھر ایک غریب سپاہی زادہ تھا جس کو نہ زمانہ کا تجربہ تھا نہ دوستوں اور ہمدردوں کی اعانت میسر تھی۔ غرض شاہ صاحب کا پلہ بھاری رہا۔ اور شیخ مرحوم کو سوائے رنج اور دلشکستگی کے اور کچھ میسر نہ ہوا۔ گو منیر مرحوم نے یہ میدان مار لیا۔ مگر یہ فتح اُن کو اپنی لیاقت سے حاصل نہیں ہوئی۔ بلکہ اُستاد کی حمایت اور دوستوں کی طرفداری سے ہوئی۔ پس اِس فتح پر کسی کو نازاں نہ ہونا چاہئے۔

جب نوبت یہاں تک پہنچ گئی تھی۔ تو شیخ مرحوم کو چاہئے تھا کہ یک لخت کنارہ کرتے اور کوئی اور ذریعہ اصلاح کا مقرر کرتے۔ [illegible] نے وہی عمل [illegible] میں رہنا اور [illegible] باوصف اِس [illegible] کے انہوں نے

شاہ صاحب کے پاس آمد و رفت نہ چھوڑی۔ ایکدن انہون نے سودا کی غزل پر غزل کہی اور شاہ صاحب کے پاس لیگئے۔ انہون نے غزل اُٹھا کر پھینکدی اور کہا غزل لیجا۔ اب تو مرزا رفیع سے بھی اونچا اوڑنے لگا۔ "یہ منہ اور مسور کی دال" اب تجھے اُستادون کی غزل پر غزل کہنے کا حوصلہ ہو گیا۔ شیخ مرحوم نہایت شکستہ دل ہو کر چلے آئے۔ مرزا رفیع کی غزل یہ ہے۔

غزل

کیا جانے کس کی خاک ہے رکھ ہوش نقش پا
یون دہر قدم کہ تا نہ دبے دوش نقش پا

اعمال رفتگان کی مکافات کر نظر
حیران ہے ہے صورت خاموش نقش پا

کس کی سنین ہین خاک نشینان راہ عشق
گوش اپنے کر ہین اتنے کہ چون گوش نقش پا

دہشت ہے کبر اہل جہان سے یہ اب مجھے
اُفتادگی نہ ہووے فراموش نقش پا

کثرت سے کوئے یار مین گرمی ہو یہ کہ وہان
پڑتا ہے پا بین آبلہ از جوش نقش پا

گذرے وہ کیونکہ خاک سے میری کہ تا ابد
چھوڑے سے قدم کو اُس کے نہ آغوش نقش پا

اُفتادگان تک آنکے کیا ینگے راہزن
جز خاک کچھ نہین ہے در آغوش نقش پا

اے شوخ ہرزہ گردی نے تیری ہر ایک جا
خون جگر کیا ہے میرا نوش نقش پا

پابوس پر رقیب عبث سے ہے جی کہ وان
کب ہے قبول خاطر پا پوش نقش پا

سودا بقول حضرت بیدل بکوئے دوست
خط جبین ماست ہم آغوش نقش پا

یہ غزل سودا کی تھی جسپر ذوق نے غزل کہی اور شاہ صاحب کو ناگوار گذرا۔ ذوق کی غزل بھی سنئے۔

غزل

رکھتے ہیں ہے دو ہوش نقش پا
ہو خاک عاشقان نہ ہم آغوش نقش پا

افتادگان کو بے سروسامان نہ جانیو
اعجاز پا سے تیرے عجب کیا کہ راہ مین
اس رہگذر میں کس کو ہوئی فرصت مقام
جسم نزار خاک نشینان کو سے عشق
فیض برہنہ پائے مجنون سے دشت مین

واہان خاک ہوتا ہے روپوش نقش پا
بول اٹھے منہ سے ہر لب خاموش نقش پا
بیٹھے ہے نقش پا بہ سر دوش نقش پا
یون ہے زمین پہ جیسے تن دوش نقش پا
ہر آبلہ بنے ہے دُر گوش نقش پا

پا بوس در گہ اپنی تو خاک بہی
پہنچے نہ ذوق اس کے آغوش نقش پا

یہ سات شعر کی غزل تھی جسکو دیکھکر شاہ نصیر کا غصہ کا پارہ "بلڈ ہیٹ" تک پہنچ گیا انسان کی طبیعت ہر وقت اپنے قابو مین نہین ہوتی۔ شاید اُسوقت شاہ صاحب کسی رنج مین ہونگے یا اُنکو اس گستاخی کا ملال ہوگا جو شیخ مرحوم نے خلیفہ سے کی۔ یا شیخ مرحوم کی انانیت سے ناراض ہوگئے ہونگے یا آتش رشک اُسوقت مشتعل ہوگئی ہوگی بہر حال اسوقت قطع تعلق ہوگیا۔ اور پھر مرتے دم تک اُستاد شاگرد مین مصالحت نہ ہوئی۔

جب شاہ نصیر نے غزل بغیر اصلاح کے پھیر دی تو شیخ مرحوم نہایت دلگیر ہو کر جامع مسجد تک آنکلے۔ آثار شریف مین فاتحہ پڑہی اور حوض پر آئے وہان میر کلو حقیر بیٹھے تھے۔ اگرچہ میر صاحب قدیمانہ انداز کے بزرگوار تھے مگر بڑے بڑے باکمال شاعرون کو دیکھہ چکے تھے۔ اور زمانہ کے سرد و گرم سے بخوبی واقف تھے۔ انہین مکدر دیکھکر پاس بٹھالیا۔ دست شفقت اُنکے سر پر پھیرا اور موجب ملال دریافت کیا۔ شیخ مرحوم نے آنکھون مین آنسو ڈبڈبا کر تمام حال کہہ سنایا۔ میر کلو کو انپر رحم آیا۔ اور کہا بہلا ہمکو تو وہ غزل سناؤ۔ شیخ مرحوم نے غزل سنکر کہا جاؤ بے تامل غزل پڑھ دو۔ کوئی اعتراض کریگا۔ تو جواب ہمارا ذمہ۔ شیخ مرحوم کی خاطر جمع ہوئی۔ اور مشاعرہ مین غزل بے اصلاح پڑہدی۔ وہان بہت تعریف ہوئی۔ چنانچہ یہ پہلی بلا اصلاح غزل تھی جو شیخ مرحوم نے مشاعرہ مین پڑہی۔ اسدن سے جرأت ہوگئی ذہن کہل گیا۔ اور بے اصلاح مشاعرہ مین غزل پڑہنے لگے رفتہ رفتہ انکی شہرت مشک ختن کی طرح مہک اٹھی۔ اور طبیعت کی شوخی اور اشعار کی گرمی نے سُننے والون کے دلون مین برقی اثر کا کام کیا۔ کلام کا مقبول ہونا بھی داد الٰہی ہے تہوڑے ہی دنون مین انکے کلام کا گھر بہ گھر چرچا ہونے لگا۔ حتے کہ انکی عمر مین

ارباب نشاط کی زبانون سے نکلکر کوچہ و بازار مین رنگ اوڑانے لگین۔
اندنون اکبر شاہ بادشاہ تھے۔ انہین شعر و سخن کا تحقاق نہ تھا۔ مگر مرزا ابوالظفر ولیعہد کہ بادشاہ ہوکر بہادر شاہ ہوئے شعر کے عاشق شیدا تھے۔ کلام الملوک ملوک الکلام کا مصداق انکا کلام تھا۔ ظفر تخلص سے ملک سخن کو تسخیر کیا تہا۔ چار دیوان کہکر ایوان شاعری کے چار ستون قایم کئے۔ چونکہ خود شاعر تھے شاعرون کے قدردان بہی تھے۔ ہر وقت دربار شاہی کے کہنہ مشق شاعر انہین کے پاس گرے رہتے تھے۔ شب کو بزم سخن گرم ہوتی تہی۔ طرحی اور غیر طرحی غزلون سے ہر ایک شخص طبع آزمائی کرتا تھا۔ اور ولیعہد موصوف کو خوش کرتا تھا۔ یہ بہادر شاہ وہی بد قسمت شاہزادہ تھا۔ جس کے وقت مین ۵۷ء کا خوفناک ہنگامہ ہوا۔ اور جو حالت اسیری مین مفلوج ہوکر جان بحق تسلیم ہوا۔
شیخ مرحوم کو اشتیاق ہوا کہ کسی نہ کسی طرح ولیعہد کے دربار تک رسائی ہوجائے تو قوت فکر کو خوب بلند پروازی ہو۔ مگر ان دنون مین بغیر کسی امیر کی حمایت کے قلعہ مین جانے کی اجازت نہ تھی۔ ایکدن ایک دوست نے انہین کہا کہ آپ چشم بد دور ہمہ صفت موصوف ہین کیون نہین کوشش کرکے ولیعہد کی صحبتون مین شامل ہوتے۔ شیخ مرحوم نے جواب مین یہ قطعہ پڑہا ؎

در میر و وزیر سلطان را بے وسیلت گر دہی بر امن
سگ و دربان چو یافتند غریب این گریبان گرفت و آن دامن

اُس نے کہا میر کاظم حسین بیقرار آپ کے اُستاد بہائی ہین۔ اور ولیعہد کے ملازم خاص ہین۔ انہین کیون نہین کہتے۔ اگر وہ سلسلہ جنبانی کرین تو سب کام بہ آسانی طے ہو سکتے ہین۔ چنانچہ میر کاظم حسین کی مہربانی سے قلعہ تک رسائی ہوگئی اور ہمیشہ دربار ولیعہد مین جانے لگے۔
جب قسمت مین بہتری لکہی ہوتی ہے۔ تو سامان قدرت سے پیدا ہوجاتے ہین ؎

خدا کے دین کا موسے سے پوچہئے احوال
کہ آگ لینے کو جائین پیغمبری ہو جائے

دکن مین دیوان چندو لعل کا دور تھا۔ دیوانصاحب اہل کمال کے قدردان اور سخاوت مین حاتم تھے۔ دلی والون پر خاص نظر پرورش رکھتے تھے اور بہت

مروّت سے پیش آتے تھے اور دلّی والون کی خوش نصیبی سے شعر و سخن کے عاشق شیدا تھے۔ شاہ نصیر مرحوم کہ ولیعہد کی غزل کو اصلاح دیا کرتے تھے دکن چلے گئے۔ انکی جگہ میر کاظم حسین بیقرار ولیعہد کی غزل بنانے لگے۔ انہین دنون مین سر جان الفنسٹن سفیر کابل مقرر ہوئے۔ انکو ایک میر منشی کی ضرورت ہوئی جو علاوہ عربی فارسی کی پوری لیاقت کے امارت خاندانی کا جوہر بھی رکھتا ہو۔ ولیعہد نے میر کاظم حسین کی سفارش کی اور وہ بھی چلے گئے۔ میر بیقرار کے جانے سے مطلع صاف ہوگیا۔ اور شیخ مرحوم کو خوب بن آئی۔ یون تو میر ثناء اللہ خان فراق میر غالب علیخان سیّد۔ عبد الرحمن خان احسان۔ برہان الدین خان زار۔ حکیم قدرت اللہ خان قاسم۔ میان شکیبا۔ مرزا عظیم وغیرہ شعرائے عالی وقار موجود تھے مگر ازل سے یہ عزت شیخ مرحوم کی قسمت مین لکھی ہوئی تھی کہ بادشاہ دلّی کے اُستاد کہلائین۔

چند روز کے بعد ذوق جو ولیعہد کے ہان گئے تو دیکھا کہ مشق تیراندازی کر رہے ہین۔ انہین دیکھکر کہنے لگے واہ میان ابراہیم واہ اُستاد تو دکن چلے گئے۔ میر بیقرار میر منشی ہوگئے۔ باقی تم ہمارے مطلب کے تھے تم نے بھی ہمین چھوڑ دیا۔ شیخ مرحوم اس موقع کو غنیمت سمجھا اور کہا کہ بندہ جہان ہو وہین دعا کرتا ہے اور کریگا۔

نہین رہبر کی کچھ پرواہ ہمین صدقہ تصور کے
کہ آنکھین بند کرین اور چھٹ تمہیں کو چھین جائے

مثل مشہور ہے کہ "خوشامد ہر کہ را کشتی خوش آمد"۔ شیخ مرحوم نے اس اصول کو اچھی طرح استعمال کیا۔ چنانچہ ولیعہد نے جیب مین سے ایک غزل نکالکر دی اور کہا ذرا اسے اصلاح کرتے جاؤ۔ شیخ مرحوم وہین بیٹھ گئے اور غزل بناکر سنائی ولیعہد بہادر غزل سنکر بہت خوش ہوئے اور کہا بھی کبھی کبھی ہماری غزل آکر بنا جایا کرو۔ اُسدن سے ولیعہد بہادر نے ان کا مبلغ لاکھ روپیہ مشاہرہ مقرر کر دیا یہ مبلغ لاکھ روپیہ نہ تھے یہ ملک الشعرائی کے دیوان کے چار ستون تھے۔

چار روپیہ مہینہ منظور کرنا اگرچہ شیخ مرحوم کے لئے ننگ عزت تھی مگر اندنون ولیعہد بہادر کا بھی ہاتھ تنگ تھا۔ اکبر شاہ ممتاز محل کی خاطر سے شاہزادہ سلیم کو ولیعہد بنایا چاہتے تھے۔ اور کہتے تھے مرزا ابو الظفر ہمارے بیٹے ہی نہین

مقدمہ اسکا گورنمنٹ مین دائر تھا۔ ولیعہد کو بجائے پانچہزار کے فقط پانچسو روپیہ ماہوار ملتا تھا۔ کچھ اس خیال سے کہ فی الحال پاؤن رکھنے کو جگہ ہونی چاہئے کھڑا ہونے کو بعد ازان جگہ ہو جائیگی۔ یہ تنخواہ شکریہ کے ساتھ منظور کرلی۔ اور واقعی خوب کیا۔ شیخ محمد رمضان نے اکبر شاہ کے خوف سے جو اندنون مین ولیعہد کے سخت مخالف تھے۔ اکلوتے بیٹے کو اس نوکری سے روکا۔ مگر انہون نے والد بزرگوار کے کہنے کو بھی منظور نہ کیا۔ اور کہا جب پہلے انگریز جو آج ہندوستان کے مالک ہین۔ اس ملک مین آئے تھے۔ تو انکو سوداگرون کی حیثیت مین صرف تھوڑی سی زمین کوٹھی کے لئے درکار تھی۔ تھوڑی سی زمین لیکر تمام ہندوستان کے بادشاہ ہوگئے۔ تھوڑی ہی سے بہت بھی ہو جاویگی۔ یہ سنکر انکے والد نے کچھ زیادہ زور نہ دیا۔ چنانچہ شیخ مرحوم ولیعہد کے استاد ہوگئے۔

کئی سال کے بعد شاہ نصیر دکن سے پھرے اور دلی مین آکر اپنا معمول مشاعرہ جاری کر دیا۔ شاہصاحب نے دیکھا کہ یہان کا نقشہ ہی بدل گیا۔

مصرعہ۔ شد آن مرغ کو خایہ زرین نہاد۔ مرزا ابوالظفر اب ذوق کے شاگرد ہو چکے تھے۔ شیخ مرحوم نے انکو خوب ہاتھون پر ڈال لیا تھا۔ اب وہ شاہصاحب کو کیا خیالمین لاتے تھے۔ چنانچہ جب شاہصاحب دکن سے واپس پھرے تو مرزا ابوالظفر نے پھر انکو منہ نہ لگایا۔ یہ بات بھی شاہصاحب کو سخت گران گذری۔ ایکدن مشاعرہ مین شیخ مرحوم نے غزل پڑھی جسکا مطلع تھا۔

جس ہاتھ مین خاتم لعل کی ہے گر اسمین زلف سرکش ہو
پھر زلف بنے وہ دست موسیٰ جسمین اخگر آتش ہو

مگر خدا جانے بسبب بیخبری کے یا سہواً شیخ مرحوم نے مطلع یون پڑھا۔

ہاتھ مین خاتم لعل کی ہے گر اسمین زلف سرکش ہو
پھر زلف بنے وہ دست موسیٰ جسمین اخگر آتش ہو

شاہصاحب فوراً بولے بھئی میان ابراہیم مطلع تو خوب کہا۔ شیخ مرحوم بھی بڑے رمز شناس تھے فوراً تاڑ گئے۔ کہ کچھ سقم ہے۔ ساتھ ہی لفظ بھی سوجھا اور دوبارہ مطلع (جس) لگاکر پڑھ دیا۔ گویا عمداً یہ لفظ چھوڑ دیا تھا۔ پھر شاہصاحب کے شاگردون مین سے ایک نے اعتراض کیا کہ یہ بحر ناجائز ہے۔ شیخ مرحوم نے کہا۔

ناجائز کیون ہے۔ معترض نے کہا اسوجہ سے کہ کسی نے اس بحر میں غزل نہین کہی۔ شیخ مرحوم نے جواب دیا انیس ۱۹ بحرین آسمان سے نہین اُترین طبایع موزون نے وقتاً فوقتاً گل کہلائے ہین۔ یہ تقریر مقبول نہ ہوئی۔ مگر شیخ مرحوم کے حق بجانب ہونیمین کوئی کلام نہین۔ زمانہ ہمیشہ ایجاد و اختراع کا مشتاق ہے۔ اور نئی بات کا پیدا کرنا تندرست عقل کا قدرتی میلان ہے۔ اگر شیخ مرحوم نے نیا بحر ایجاد کیا تو کیا گناہ کیا۔ اگر ابتدا سے لوگ ایک ہی بات پر قناعت کرتے تو ترقی کی راہ ہمیشہ کے لئے مسدود ہو جاتی۔

اسدن سے شیخ مرحوم نے سیر کتب کا شغل اختیار کیا۔ حسن اتفاق سے راجہ صاحب رام نے جو املاک شاہ اودھ کے مختار تھے اپنے بیٹے کو کتب علمی کی تحصیل تمام کرانے کے لئے مولوی عبد الرزاق کو مقرر کیا۔ اور مہربانی فرما کر ذوق مرحوم کو بھی اجازت دی کہ درس مین شریک رہین۔ چنانچہ اس طرح تحصیل علوم کا قدرتی سامان شیخ مرحوم کو مہیا ہو گیا۔

ایکدن مشاعرہ مین شیخ مرحوم نے غزل پڑھی۔ مطلع یہ تھا۔

نرگس کے پھول بھیجے ہین بٹوے مین ڈالکر
ایما یہ ہے کہ بھیجدے آنکھین نکال کر۔

شاہصاحب نے مسکرا کر کہا میان ابراہیم پھول بٹوے مین آپکے ہان رکھے جاتے ہونگے۔ یہ کہو ؎

نرگس کے بیجے ہین ڈونے مین ڈال کر
ایما یہ ہے کہ بھیجدے آنکھین نکال کر

اُنھون نے کہا کہ ڈونے مین رکھنا ہوتا ہے ڈالنا نہین ہوتا۔ یون کہئے۔

بادام دو بھیجے ہین بٹوے مین ڈال کر
ایما یہ ہے کہ بھیجدے آنکھین نکالکر۔

ایکدفعہ بڑی دھوم سے مشاعرہ ہوا۔ شاہصاحب نے مفصلہ ذیل طرحی غزل پڑھی۔ اسکا مطلع نہین ملتا۔

غزل

اے رشک روان ساتھ لئے آہ جگر کو
عاشق کہین بے فوج و علم اُٹھ نہین سکتا

سقف فلک کہنہ مین کیونکر لگاؤن
اے ضعف دل اس آہ کا تھم نہین سکتا

سر معرکۂ عشق مین آسان نہین دینا
گاڑے ہین جہان شمع قدم اُٹھ نہین سکتا

ہے جنبش مژگان کا کسی کی جو تصور
دل سے خلش خار الم اُٹھ نہین سکتا

دل پر ہے میرے خیمۂ بر آبلۂ استاد
کیا کیجیے یہ لشکر غم اُٹھ نہین سکتا

ہر جا متجلی ہے وہی پردہ غفلت
اے معتکف دیر و حرم اُٹھ نہین سکتا

یون اشک زمین پر ہین کہ منزل کو پہنچکر
جون قافلۂ ملک عدم اُٹھ نہین سکتا

اس کے بعد شیخ مرحوم کے سامنے شمع آئی۔ تو اُنہون نے یہ غزل پڑھی۔

غزل

لکھیے اُسے خط مین کہ سر اُٹھ نہین سکتا
پر ضعف سے ہاتھون مین قلم اُٹھ نہین سکتا

بیمار تیرا صورت تصویر نہالی
کیا اُٹھے سر بزم اُٹھ نہین سکتا

آتی ہے صدا سے جرس ناقۂ لیلی
پر حیف کہ مجنون کا ندم اُٹھ نہین سکتا

چون دانۂ روئیدہ تہ خاک ہمارا
سر زیر گرانبار الم اُٹھ نہین سکتا

ہر داغ معاصی مرا اس دامن تر سے
چون حرف سر کاغذ نم اُٹھ نہین سکتا

اتنا ہون تیری تیغ کا شرمندہ احسان
سر میرا ترے سر کی قسم اُٹھ نہین سکتا

پردہ در کعبہ سے اُٹھانا تو ہے آسان
پردہ رخسار صنم اُٹھ نہین سکتا

کیون اتنا گران بار ہے جو رخت سفر بھی
اے راہ رو ملک عدم اُٹھ نہین سکتا

دنیا کا زر و مال کیا جمع تو کیا ذوق
کچھ فائدہ بے دست کرم اُٹھ نہین سکتا

دونون غزلین جوہریان سفرۂ بازار معانی و صرافان دار العیار نکتہ دانی کے روبرو پیش کی گئی ہین۔ اب اندازہ کرنا اُنکا کام ہے کہ کس کو کس پر ترجیح ہے۔

شاہ صاحب نے دکن مین کسی کی فرمائش سے ۹ شعر کی غزل کہی تھی جس کی

ردیف تھی آتش و آب خاک و باد۔ وہ غزل مشاعرہ مین سُنائی اور کہا اس طرح پر جو غزل کہے اسکو مین اُستاد مانتا ہون یہ چشمک شیخ مرحوم پر تھی جو ولیعہد کے اُستاد تھے۔ دوسرے مشاعرہ مین اُنہون نے اسپر غزل کہی اور چونکہ جشن قریب تھا شیخ مرحوم نے بادشاہ کی تعریف مین ایک قصیدہ بھی اسی طرح مین لکھا لیکن بنظر حفظ ماتقدم ولیعہد بہادر نے اپنے شفقہ کے ساتھ مولوی شاہ عبدالعزیز کے پاس بھیجا۔ انہون نے پڑھنے کی اجازت دی اور جواب مین یہ شعر لکھا ؎

بود بگفتۂ من حرف اعتراض چنان
کسے بدیدہ بینا فرو برد انگشت

شیخ مرحوم کا دل قوی ہوگیا۔ اور دربار شاہی مین جاکر قصیدہ سُنایا اسکے بڑے بڑے چرچے ہوئے۔ شاہ صاحب کے فریق نے اسپر اعتراض لکھے۔ شیخ مرحوم قصیدہ مشاعرہ مین لیگئے تا مجمع عام مین فیصلہ ہو جائے۔ شاہ نصیر نے ایک مستعد طالبعلم کو کہ کتب تحصیل اُسے خوب روان تھین جلسہ مین پیش کیا اور کہا کہ انہون نے اسپر کچھ اعتراض لکھے ہین کہتے ہین کہ شیخ علیہ الرحمتہ نے عرض کی کہ قبلہ آپ میرے اُستاد ہین۔ مین اپنے تئین اس قابل نہین سمجھتا کہ آپ کے اعتراضونکے لئے قابل خطاب بنون۔ انہون نے نہایت بے اعتنائی کے ساتھ جواب دیا کہ مجھے کچھ تعلق نہین انہون نے کچھ لکھا ہے۔ شیخ مرحوم نے کہا خیر تحریر اسی وقت تک ہے کہ فاصلہ دوری درمیان ہو۔ جب آمنے سامنے موجود ہین تو تقریر ہونی چاہئے۔ اسکے راوی مولوی آزاد ذوق کے شاگرد رشید ہین۔ قصہ مختصر وہ طالبعلم شیخ مرحوم کے مقابل آبیٹھا۔ قصیدہ کا مطلع تھا۔

کوہ اور آندھی مین ہون گر آتش و آب خاک و باد
آج نہ چل سکینگے پر آتش و آب خاک و باد

معترض نے اعتراض کیا کہ سنگ مین آتش چلنے کا ثبوت چاہئے۔ انہون نے کہا۔ کہ جب پہاڑ متحرک ہوگا تو آگ جو اسمین ہے اُسکے ساتھ متحرک ہوگی۔ معترض نے کہا سنگ مین آتش کا ثبوت چاہئے۔ انہون نے کہا مشاہدہ معترض نے کہا سنگ مین آتش کا ثبوت چاہئے مگر کتابی سند درکار ہے۔ انہون نے کہا تاریخ سے ثابت ہے۔ کہ ہوشنگ کے وقت مین آگ نکلی۔ معترض نے کہا سند

شعر مین مطلوب ہے۔ شیخ مرحوم نے شعر محسن تاثیر کا پڑھا ہے

پیش از ظہور جلوۂ جانانہ سوختیم
آتش بسنگ بود کہ ما خانہ سوختیم

معترض نے کہا اردو زبان مین سند دو شیخ مرحوم نے سودا کا شعر پڑھا ہے

ہر سنگ مین شرار ہے تیرے ظہور کا
موسےٰ نہین کہ سیر کرون کوہ طور کا

میرے خیال مین یہ تمام بحث فضول تھی لفظ "گر" معترض کے اعتراض کا کافی جواب تھا۔ شیخ مرحوم نے یہ قضیہ قایم نہین کیا تھا۔ کہ سنگ مین آگ ہے۔ اُنھون نے بیان شرطیہ کیا تھا کہ اگر سنگ مین آگ ہو تو ایسا ہوگا۔ پھر ایک شعر پر اعتراض ہوا کہ اُسمین ثبوت روانی مفقود ہے۔ شیخ نے کہا یہان تغلیب ہے اِسوقت خود شاہ صاحب بول اُٹھے کہ یہ تغلیب کہین نہین آئی۔ انہون نے کہا اِسکا قاعدہ عام ہے۔ انہون نے کہا کسی اُستاد کے کلام مین ثابت کرو شیخ نے کہا آپ نے ۱۰ شعر کی غزل پڑھکر فرمایا تھا کہ اِس طرح مین کوئی غزل کہے تو ہم اُستاد جانین مین نے تو ایک غزل اور تین قصیدہ لکھے اب بھی استاد نہ ہوا۔

جب نوبت یہان تک پہنچی تو چند معززین نے جو وہان موجود تھے یہ مناسب سمجھا کہ جلسہ برخاست کیا جاوے۔ تاکہ کہین فساد نہ ہو جاوے۔

پھر شیخ مرحوم نے ایک قصیدہ اکبر شاہ کے دربار مین کہکر سُنایا جسکے مختلف شعرون مین انواع واقسام کے صنایع و بدایع صرف کئے تھے۔ مطلع تھا ؎

جبکہ سرطان و اسد مہر کا ٹھہرا مسکن
آب و ایلولہ ہوئے نشو و نمائے گلشن۔

اِس قصیدہ کے عوض مین بادشاہ نے خاقانی ہند خطاب عطا کیا۔

منشی فیض پارسا دہلی کالج مین مدرس حساب تھے۔ اُن دنون جوانی کے عالم مین شاعری کے جوش و خروش مین بھی چور تھے۔ انہون نے مدرسہ مین بڑی دھوم دھام سے مشاعرہ قایم کیا اور اُسے اثنائے اردو کی ترقی کا

جشن واعظم ٹرانکر صاحب پرنسپل سے مدد لی۔ اندنون مین شہر کے دروازہ
ایجنٹ بند ہو جاتے تھے گڈھ کپتان سے اجازت خاص حاصل کی کہ مشاعرہ کے
دن ۲ بجے تک اجمیری دروازہ جہان مدرسہ واقع تھا کھلا رہا کرے۔ غرض
مشاعرہ اس شان و شوکت سے قایم ہوا۔ کہ پھر ایسا کوئی مشاعرہ دلی مین
نہین ہوا۔ شہر بھر کے رؤسا اور نامی شعرا تشریف لایا کرتے تھے شاہصاحب
اور شیخصاحب کی آپسمین برابر چلی چلتی تھی۔ چنانچہ ایک مشاعرہ مین شاہصاحب
نے غزل پڑھی قفس کی تیلیان خس کی تیلیان وغیرہ۔ دوسرے مشاعرہ
مین یہ ہی طرح ہو گئی۔ شیخ مرحوم نے دو غزلہ لکھا اسپر کچھ اعتراض ہوئے
اسپر شیخ مرحوم کو جوش آگیا۔ اور کہا کہ انشاءاللہ برس دن تک علاوہ طرحی
غزل کے ایک غزل اس زمین مین پڑھا کرونگا۔ جب تیسرے مشاعرہ مین
اس زمین مین شیخصاحب نے غزل کہی تو شاہصاحب کی طرف سے خو
جوٹین ہوئین اور میر مرحوم نے یہ شعر پڑھا ؎

گرچہ قندیل سخن کو منڈھ لیا تو کیا ہوا
ڈلیچ مین تو ہین وہی اگلے برس کی تیلیان

اسپر تکرار زیادہ ہوئے اور مشاعرہ بند کر دیا گیا۔

جب ابو ظفر بادشاہ ہو کر بہادر شاہ ہوئے۔ تو ابتدا مین شیخصاحب کی قدر
انکے کمال کے موافق نہ ہوئی۔ انکی تنخواہ مین صرف اسقدر ترقی ہوئی کہ بجائے
مبلغ لاہور روپیہ کے منہ ۳۰ روپیہ ماہوار ہو گئے۔ جب شیخصاحب نے دیکھا کہ
یون امیدون کا خون ہو گیا تو یہ شعر پڑھکر خاموش ہو رہے ؎

یون بھرین اہل کمال آشفتہ حال افسوس ہے
اے کمال افسوس ہے تجھپر کمال افسوس ہے

مگر اسمین بہادر شاہ کا کچھ قصور نہین یہ ساری چالاکی مرزا مغل بیگ کی
تھی۔ ایکدن ایک دوست شیخ مرحوم سے ملنے آئے اور کہنے لگے افسوس ہے
حضرت ذوق۔ بادشاہ نے انصاف نہ کیا۔ ادنے ادنے اشخص مالامال ہو گئے
اور آپ کا صرف منہ ۳۰ روپیہ مہینہ مقرر ہوا۔ شیخ مرحوم مسکرائے اور
یہ شعر حافظ کا جواب مین سنایا ؎

اسپ تازی شدہ مجروح بزیر پالان طوق زرین ہمہ در گردن خر می بینم

مگر چند دن مین ہی مرزا مغل بیگ کی ترکی تمام ہوگئی۔ تمام کنبہ قلعہ سے نکالا گیا اور نواب حامد علی خان وزیر ہوئے۔ پھر تو استاد شاہی کا سو روپیہ مہینہ مقرر ہوا علاوہ اس تنخواہ کے ہمیشہ عید اور نوروز کے جشنون مین قصیدہ مبارکباد کے پڑھتے تھے۔ اور خلعت سے اعزاز حاصل کرتے تھے۔

ایکدفعہ بادشاہ سخت بیمار ہوگئے۔ اور جب شفایابی تو شیخ مرحوم نے ایک قصیدہ کہکر نذر گذرانا۔ بادشاہ نے علاوہ خلعت کے ایک ہاتھی انعام مین دیا۔ اور خطاب خان بہادر بخشا۔ قصیدہ واقعی اپنا نظیر آپ ہے جسکا ہر ایک شعر رنگین اور برجستہ ہے۔ مطلع یہ ہے۔

زہے نشاط کہ گر کیجیے اُسے تحریر
عیان ہو خامہ سے تحریر نغمہ جائے صریر

اسی قصیدہ مین ایک شعر ہے جسکو سنکر بے اختیار سبحان اللہ کہنا پڑتا ہے وہ شعر یہ ہے ؎

ہوا پہ دوڑتا ہے اس طرح سے ابر سیاہ
کہ جیسے جائے کوئی فیل مست بے زنجیر

پھر آگے فرماتے ہین۔

ہوا ہے مدرسہ بھی درسگاہ عیش و نشاط
کہ شمس بازغہ کی جا پڑھین ہین بدر منیر
اگر پیالہ ہے صفرا تو ہے سبو کبرا
نتیجہ یہ ہے کہ سرمست ہین صغیر و کبیر

واہ منطق کی اصطلاحون کو کس خوش اسلوبی سے نباہا ہے۔ بادشاہ نے غسل صحت کے جشن کے متعلق دربار زینت محل کے مکان مین کیا تھا اور وہین یہ قصیدہ سُنا تھا۔

چونکہ شیخ مرحوم دن رات اسی شغل مین مصروف رہتے تھے انکی مشق نے انہین پرلے درجہ کا حاضر جواب اور بدیہہ گو بنا دیا تھا۔

روایت ہے کہ برسات کا موسم تھا۔ مرزا فخرو بادشاہ کے صاحبزادے چاندنی رات مین تالاب کے کنارہ کھڑے ہوئے تھے انکی زبان سے یہ مصرعہ نکلا۔ ع چاندنی دیکھے اگر وہ مہ جبین تالاب پر ؎

انہین کہا اُستاد اسپر مصرعہ لگائے گا۔ انہون نے فوراً کہا ؎

چاندنی دیکھے اگر وہ مہ جبین تالاب پہ
تاب عکس رخ سے پانی پھیر دے مہتاب پہ

ایکدن نواب حامد علیخان نے آتش کا مطلع پڑھا ؎

جانور جو تیرے صدقہ مین رہا ہوتا ہے
اے شہ حسن وہ چھٹتے ہی ہما ہوتا ہے

شیخ مرحوم بول اُٹھے صدقہ مین زیادہ کوا اچھڑواتے ہین اسلئے زیادہ تر مناسب ہے کہ یون کہا جاوے ؎

زاغ بھی گر تیرے صدقہ مین رہا ہوتا ہے
اے شہ حسن وہ چھٹتے ہی ہما ہوتا ہے

راقم نے ایکدفعہ ایک نعتیہ غزل کہی تھی۔ اُسمین بھی یہ مضمون توارد ہوگیا ہے وہ شعر یہ ہے ؎

مین سایہ نشین صاحب لولاک لما ہون
کوا میرے صدقہ مین رہا ہو تو ہما ہو

اِسی نعت مین ایک اور شعر ہے جو بسبب نئے مضمون کے قابل اندراج ہے ؎

اللہ کرے بندہ بھی ہو پابند ثناء شیخ
یہ طائر جان مرغ حرم ہو تو مزا ہو

ایک دفعہ قلعہ شاہی مین مشاعرہ تھا۔ حکیم آغا جان عیش نے ایک شعر اپنی غزل مین پڑھا ؎

اے شمع صبح ہوتی ہے روتی ہے کسلیئے
تھوڑی سی رہگئی ہے اسے بھی گذار دے

شیخ مرحوم نے فوراً اس مضمون کو اس پیرایہ مین بیان کیا ؎

اے شمع تیری عمر طبعی ہے ایک رات
رو کر گذار یا اسے ہنسکر گذار دے

مگر حکیم آغا جان عیش کے شعر مین نزاکت زیادہ ہے۔ میری رائے مین اُسی کو ترجیح ہے۔

ایک شخص نے آکر کہا کہ میرے دوست کا نام غلام علی ہے اور باپ کا نام غلا محمد ہے۔ براہ مہربانی کوئی ایسا سجع کہدین کہ جسمین دونون نام آجائین آپ نے فوراً ایک پرزہ کاغذ پر لکھدیا۔ ع

پدر غلام محمد پسر غلام علی

ایک معمولی دربار تھا ایک مرشدزادہ فوراً آئے اور فوراً چلے گئے۔ کسی نے عرض کی۔ صاحب عالم اسقدر جلدی۔ صاحب عالم کی زبان سے نکلا

اپنی خوشی نہ آئے نہ اپنی خوشی چلے

شیخ مرحوم نے فوراً کہا ؎

زندگی حیات آئے قضا لیچلی چلے
اپنی خوشی نہ آئے نہ اپنی خوشی چلے

میر محمد خان اعظم الدولہ نے جنکا تخلص سرور تھا ایک تذکرہ شعرائے اردو کا لکھا۔ اتفاقاً شیخ مرحوم انکے مکان پر جا نکلے۔ انہون نے تاریخ کی فرمائش کی انکے منہ سے فوراً نکلا ورثائے اعظم۔ حساب کیا تو عدد برابر تھے۔

شاہ نصیر کے ہان سال بسال عرس ہوا کرتا تھا۔ اسمین فاتحہ کے بعد کھچڑی کھلایا کرتے تھے۔ حسب معمول ذوق بھی گئے۔ فاتحہ کے بعد کھانا کھلانے بیٹھے تو شاہ صاحب ایک ہاتھ مین چمچہ اور دوسرے ہاتھ مین بادیہ لیے ہوئے آئے اسمین وہی تھا کہ خاص خاص اشخاص کے سامنے ڈالنے آتے تھے انکے سامنے آکھڑے ہوئے پوچھا بھرا۔ انہین ریزش کے باعث پرہیز تھا پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ شاہ صاحب نے کہا سکھیا ہے سکھیا۔ دیکھو کھاؤگے تو مرجاؤگے شیخ مرحوم نے ہنس دیا اور کہا۔ ع

بھلا تم زہر دو دیکھو اثر ہو مجھے تو مین جانون

اگرچہ یہ مصرعہ قدیمی میان مجنون کا ہے۔ مگر حاضر جوابی کے لحاظ سے سب کو لطف آیا۔

مولوی محمد حسین آزاد کے والد بزرگوار نے بنیت وقف امامبارہ تعمیر کیا شیخ مرحوم سے تاریخ کی فرمائش کی انہون نے فوراً کہا۔ تعمیر بیت گاہ امام زمین سب کو حیرت ہوئی۔

حکیم میر فیض علی علی۔ انکے استاد بھی تھے۔ اور شیخ مرحوم انہی کا علاج کیا

کرتے تھے۔ ایک دن مولوی آزاد موجود تھے کہ نوکر نے اطلاع دی کہ آج میر صاحب کا انتقال ہوا۔ شیخ مرحوم کو بیحد قلق اور اضطراب ہوا کہ اٹھکر چلنے لگے۔ پھر تھوڑی دیر تامل کرکے دفعتہً بولے "آئیے میر صاحب مولوی آزاد نے حساب کیا تو تاریخ کے عدد برابر تھے۔

جیسی مرزا مغل بیگ کی وزارت کے زمانہ میں شیخ مرحوم کی بیقدری تھی ویسی ہی بعد ازاں قدر ہوگئی۔ رفتہ رفتہ بادشاہ نے انہیں دلی رازوں کے لئے مخزن اعتبار بنالیا اور دنیاوی دولت سے بھی مالا مال کردیا جب شیخ مرحوم نے یہ قصیدہ کہکر جسکا مطلع ہے ؎

شب کو میں اپنے سر بستر خواب راحت
نشۂ علم میں سرمست غرور نخوت

پیش کیا تو ایک گاؤں جاگیر میں عطا ہوا۔

شیخ صاحب کے بہت سے شاگرد ہوئے ہیں۔ کئی اب بھی زندہ ہیں جو انکی شاگردی کا فخر کرتے ہیں۔ انکے شاگردوں کی پوری فہرست لکھنی فضول سمجھتا ہوں۔ اسلئے چند مشہور ناموں پر ہی اکتفا کرتا ہوں۔

۱۔ مرزا ابوالظفر بادشاہ دہلی ہوکر بہادر شاہ ہوئے۔ شعر کے عاشق شیدا تھے۔ اور چار دیوانوں کے مالک تھے۔ انکے دیوانوں میں ہر رنگ کے انداز موجود ہیں۔ جب انکے کلیات کو کھولو تو مضامین عاشقانہ اور تصوف دونوں نظر پڑتے ہیں اور رنگارنگ کے زمزمہ اور بوقلموں آوازیں آتی ہیں۔ انکے تخیل کو جب اٹھاؤ۔ تو پھر چھوڑنے کو جی نہیں چاہتا۔ اور گھنٹوں مطالعہ کرو پر جی دل نہیں اکتاتا۔

افسوس ہے مرزا ابوالظفر کا انجام بخیر نہ ہوا۔ جس ذلت اور رسوائی سے انہیں دلی چھوڑنی پڑی خدا وہ ذلت دشمن کو بھی نصیب نہ کرے ؎

نکلنا خلد سے آدم کا سنتے آئے تھے لیکن
بہت بے آبرو ہوکر تیرے کوچے سے ہم نکلے

چنانچہ انہوں نے خود حالت قلق و اضطراب میں جو غزل کہی اس کو پڑھکر بے اختیار آنکھوں سے آنسو نکل پڑتے ہیں۔ اس غزل کا مطلع ہے ؎

گئی یک بیک جو ہوا پلٹ نہین دل کو میرے قرار ہے
کرون غم ستم کا مین کیا بیان میرا سینہ غم سے فگار ہے

روایت ہے کہ جب دلی فتح ہوگئی۔ اور انگریزی فوج باغیونکا قلع قمع کرتی ہوئی شہر مین داخل ہوگئی۔ تو کسی نے دوڑکر کہا کہ بادشاہ سلامت کس خواب گوش مین مبتلا ہو۔ سپاہی دروازہ پر آگئے۔ کچھ جان بچانے کی فکر بھی کرو۔ مگر بادشاہ سلامت بھی بہادر شاہ تھے۔ اپنی جگہ سے حرکت تک نہ کی۔ حتےٰ کہ گرفتار ہوئے۔ کسی نے پوچھا کہ آپ بھاگ کیون نہ گئے۔ تو نہایت متانت سے جواب دیا۔ بھاگتا کیسے جوتی پہنانے والا ملازم موجود نہ تھا۔ آپکی صلاح تھی کہ خود ہاتھ جوتی کو لگاتا۔ جان جائے تو جائے وضع مین فرق نہ آئے۔ مال صدقہ جان ہے اور جان آبرو پر قربان ہے۔ پھر حالت قید مین اسی شخص نے پوچھا اب کیا حال ہے۔ تو حالت یاس مین اُس کی طرف دیکھا۔ اور کچھ جواب نہ دیا۔ مگر نگاہ زبان حال سے یہ شعر پڑھ رہی تھی ؎

دستگیری کر رہی ہے ہتھکڑی
پاؤن میرے مین پڑی زنجیر ہے۔

آخر کار قید ہوکر رنگون بھیجے گئے۔ اور مفلوج ہوکر جان بحق تسلیم ہوئے۔

۲۔ شمس العلماء مولوی محمد حسین آزاد۔ یہ صاحب کمال وہ شخص ہے کہ اگر شیخ مرحوم زندہ ہوتے تو واقعی فخر کرتے۔ اور نازان ہوتے کہ اُنکے شاگردون کی فہرست مین ایسے لایق اور فاضل شخص کا نام موجود ہے۔ انکی تصنیفات سے پنجاب اور ہندوستان مین بچہ بچہ واقف ہے۔ آپ ابتدا مین پروفیسر عربی و فارسی گورنمنٹ کالج مین تھے۔ اب پنشنی ہین۔ انہون نے سرکار دولت مدار کی بہت سی عمدہ عمدہ خدمات کی ہین۔ چنانچہ پنڈت منہول۔ سی۔ ایس۔ آئی کے ہمراہ ایران مین سفارت کے ساتھ گئے تھے۔ انکے مخالف اعتراض کرتے تھے کہ مولوی صاحب کو عربی کی اچھی استعداد نہین۔ مگر راقم نے گورنمنٹ کالج مین اُن سے پڑھا ہے۔ اور کبھی کسی قسم کی رکاوٹ یا دقت پیش نہین آئی۔

میری رائے مین نثر اردو جیسے وہ لکھتے ہین۔ ہندوستان بھر مین

کوئی نہین لکھتا۔ اُنکے لئے ظہور ہی ہند۔ کا خطاب بجائے شمس العلمائے کے بہت موزون تھا۔ آپکی مشہور تصنیفات مفصلہ ذیل ہین۔

آبحیات۔ یہ مشاہیر شعرائے اردو کی سوانح عمری ہے۔ اور اسمین زبان اردو کی عہد بعہد کی ترقیون اور اصلاحون کا بیان ہے۔ یہ کتاب کئی بار چھپ چکی ہے۔ اور بہت مقبول ہوئی ہے۔ سُنا ہے کہ دکن مین کسی نے اسکا جواب لکھا ہے۔ شاید کسی شاعر کا ذکر مولویصاحب نے نہ کیا ہوگا۔ جسکے باعث اُس نے جلے دل کے پھپھولے پھوڑے ہونگے۔

نیرنگ خیال۔ یہ اردو انشا کی اعلےٰ درجہ کی کتاب ہے۔ اسمین اعلےٰ اعلےٰ مضامین پر بحث کی ہے۔ اور بقائے دوام کا دربار تو قابل پڑھنے کے ہے۔

قصص ہند حصہ دوم۔ اسمین صرف مسلمانون کا زمانہ ہے واقعی اسکی عبارت پر فصاحت و بلاغت قربان ہوتی ہیں۔

جامع القواعد۔ یہ ایک اردو قواعد کی کتاب ہے۔

فارسی کی پہلی۔ ایضاً دوسری } ان کتابون سے ظاہر ہوتا ہے کہ مصنف فارسی زبان پر ایسا قادر ہے کہ گویا خاص ایران کا رہنے والا ہے

اب مولوی صاحب کا ارادہ تھا کہ دربار اکبری (جو لکھ چکے تھے) چھپوا دیا جاوے۔ مگر دل کی دل ہی مین رہی۔ حادثات زمانہ سے کوئی دماغی مرض لاحق ہوگیا ہے۔ جس سے لکھنے پڑھنے کے کام کے نہین ہے۔ خدا انہین صحت بخشے انکا دم غنیمت ہے۔

بعض لوگ کہتے ہین۔ کہ مولوی آزاد۔ نثر کے میدان مین تو شہسوار ہین۔ مگر انکی نظم اعلےٰ درجہ کی نہین۔ اسبات سے مجھے اتفاق نہین۔ انکی چند مثنویان اور مسدس میری نگاہون سے گذرے ہین۔ انمین اعلےٰ درجہ کی بلند پروازی چستی الفاظ اور بندش محاورہ موجود ہے۔ انکی نظم "ماں کی محبت" مین جو انہون نے "کاوپر" کے خیالات اول بدل کر لکھی ہے اور دوسری نظم "بڑھے چلو" دونون بے نظیر ہین۔

۳۔ نواب الہی بخش خان معروف۔ ایک عالی خاندان امیر اور علوم ضروری سے باخبر تھے۔ شاعری مین آپ نے فنا فی الشعر کا مرتبہ حاصل کیا۔ انکے بزرگ سلاطین چغتائیہ کے آخر عہد مین دلی مین اکر امرائے نامی مین

داخل ہوے - یہ تین بہائی تھے - نواب نبی بخش خان - نواب الٰہی بخش خان - اور نواب احمد بخش خان - نواب احمد بخش خان بہادر کے پوتے نواب سر علاؤالدین خان کے - سی - ایس - آئی - نواب لوہارو تھے - جنکے دوسرے صاحبزادہ مرزا نصیر الدین امرتسر مین کچھ عرصہ اسسٹنٹ کمشنر بھی رہے - نواب الٰہی بخش خان معروف کا دیوان المشہور یہ دیوان معروف - اب تک رائج ہے - شیخ مرحوم کا قول ہے - کہ نواب معروف - کی غزل بنائین ہم خود بنگئے -

تسبیح زمرد - جو ۱۰۱ اشعار کا سلسلہ ردیف وار ہے اور کوئی مطلع سبزی کے مضمون سے خالی نہین نواب صاحب مغفور کا ہی کہا ہوا ہے - مولوی آزاد بیان کرتے ہین - کہ ایکدن شیخ مرحوم اپنے گھر کے قریب ایک مسجد مین بیٹھ کر وظیفہ پڑھ رہے تھے - کہ سامنے سے ایک چوبدار آیا - اور کچھ چیز رومال مین لپٹی ہوئی شیخ مرحوم کے سامنے رکھ کر الگ بیٹھ گیا - شیخ مرحوم نے وظیفہ سے فارغ ہوکر اُسے دیکھا - تو اُسمین ایک خوشہ انگور تھا - ساتھ ہی چوبدار نے کہا کہ نواب صاحب نے دعا فرمائی ہے - یہ تبرک بھیجا ہے - اور فرمایا ہے کہ آپکا کلام آپکی زبان سے سننے کو جی چاہتا ہے - شیخ مرحوم نے وعدہ کیا اور تشریف لیگئے - بعد معمولی علیک سلیک انہون نے شعر کی فرمائش کی - تو شیخ مرحوم نے یہ مطلع پڑھا ؎

نگہ کا وار تھا دلپر پھڑکنے جان لگی
چلی تھی برچھی کسی پر کسی کے آن لگی

سُنکر بہت خوش ہوئے اور اسی دن شاگرد ہوئے -

۴ - حافظ ویران حافظ غلام رسول ویران - نابینا تھے - مگر خدا نے انکی بصیرت کی آنکھین ایسی روشن کی تھین - کہ بصارت کی آنکھونکے محتاج نہین تھے - انکو شیخ مرحوم کا بہت سا کلام ازبر تھا - جب شیخ مرحوم کے مسودونکا سرمایۂ دلی کے ساتھ ہوا تو حافظ موصوف کی کوشش سے مجموعہ غزلیات ذوق ۱۲۷۹ھ مین چھپکر شایع ہوا - اب حالمین مولوی آزاد نے بھی دیوان ذوق نیا چھپوایا تھا - مولوی آزاد کی اڈیشن کی نسبت ایک صاحب کہنے لگے کہ اسمین انہون نے بہت سی اپنی غزلین ملا دی ہین - چنانچہ وہ کہتے لگا کہ مین اُنکے کتب خانہ مین جو اکبری دروازہ کے باہر بنوایا تھا جایا کرتا تھا

اور اکثر دیکھا کرتا تھا کہ مولوی صاحب طبیعت سے اشعار گھڑ کر ناتمام غزلون مین شامل کر دیتے تھے۔ دروغ بر گردن راوی یہ بات قرین قیاس نہین ۔ ۶

در ہر دہن تنگ نبات دگر است

مولوی آزاد کا انداز اور ہے ۔ اور شیخ مرحوم کا اور تھا۔

۵ ۔ نواب مرزا داغ ۔ آجکل نواب حیدر آباد کے اُستاد ہین بہت مدت تک رامپور رہے ۔ انکے چار دیوان چھپ چکے ہین ۔ پہلے دیوان کا نام گلزار داغ ۔ ہے اور چوتھے دیوان کا ۔ مہتاب داغ ہے ۔ شیخ مرحوم کے دیوان کا پہلا شعر ہے ؎

ہوا حمد خدا مین دل جو مصروف رقم میرا
الف الحمد کا سا بنگیا گویا قلم میرا

گلزار داغ مین بھی پہلی غزل اسی زمین مین ہے ۔ اُسکا پہلا شعر ہے ؎

عدو نے موسوی فن دیکھے اعجاز رقم میرا
عصائے موسوی ہے حمد خالق مین قلم میرا

اسی غزل مین شیخ مرحوم کا شعر ہے ؎

دم شمشیر قاتل پر بہی خون جاتا ہے جم میرا
صراط عشق پر از بسکہ ہے ثابت قدم میرا

اور اسی قافیہ کو داغ نے اس طرح باندہا ہے ؎

سلامت منزل مقصود تک اللہ پہنچا دے
مجھے آنکھین دکھاتا ہے ہر اک نقش قدم میرا

جیسے مومن کو تخلص عجیب ہاتھ آگیا تھا ۔ ویسا ہی داغ کو تخلص ملگیا ہے جس نے اُنکے بہت سے مقطع سجا دیئے ہین ۔ ایک مقطع یاد ہے ؎

مجھے ہنسکر لگے کہنے تمہین کو داغ کہتے ہین
تمہین رہتے ہو لالہ مین تمہین ہو ماہ کامل مین

سنتے ہین حالمین اُنکو نظام حیدر آباد نے ایک غزل کے لئے پانچہزار روپیہ انعام دیا ۔ اور ایک قطعہ تاریخ کے عوض مین طلائی گھڑی بخشی ہے ۔

جناب قاضی نذر حسین صاحب وکیل دربیسن بجنور کی زبانی معلوم ہوا کہ شیخ مرحوم کے شاگردون مین سے ایک خاص شاگرد مولوی مذاق صاحب بدایونی ہین جنکا

تخلص شیخ مرحوم نے اپنے تخلص کے مشابہ مقرر کیا تھا۔ انکا پایہ کلام مین اپنے مشہور استاد کے ہم پلہ ہے اور فصاحت اور خوبی مین بے نظیر ہے۔ مگر چونکہ مولوی مذاق صاحب کا رجحان تصوف اور درویشی کیطرف ہو گیا۔ اسواسطے انہون نے مروجہ مضامین مین غزل سرائی ترک کر دی۔ اور اپنے کلام کو صرف نعت گوئی پر محدود کر لیا۔ انکی شاعری کا مرتبہ نعت گوئی مین بھی ویسا ہی اعلےٰ رہا۔ جیساکہ وہ فی الحقیقت تھا۔ اور نعتیہ کلام شمالی ہند مین عموماً مشہور ہے۔ اور وہ دیگر شعرا کے مروجہ نعتیہ کلام سے کہین بڑھکر اپنے درجہ پر شمار کیا جاتا ہے۔ مولویصاحب موصوف کی شہرت شاعری سے بھی زیادہ درویشی مین ہے۔ اور بہت خلایق انکی مرید ہے اور وہ اپنے ملک مین ایک نامی شیخ اور بزرگ ہین۔ نوابصاحب والئی جامدہ بھی مولوی مذاق صاحب سے بیعت ہین۔ شیخ مرحوم کے روبرو جب مولویصاحب موصوف بھی مروجہ شاعری سے شوق رکھتے تھے ایک دلچسپ معاملہ وقوع مین آیا۔ شیخ مرحوم کی ایک مشہور غزل ہے۔ جو عمدگی مین اپنا جواب نہین رکھتی جسکا مطلع یہ ہے ؎

ہے کان اُسکے زلف معنبر لگی ہوئی
رکھے گی یہ تر بال برابر لگی ہوئی +

اسی غزل کا ایک لطیف شعر یہ بھی ہے ؎

لاؤ تو قتل نامہ ذرا مین بھی دیکھ لون
کس کس کی مہر ہے سر محضر لگی ہوئی

مولوی مذاق صاحب نے بھی اسپر ایک عمدہ غزل لکھی اور اُسکے اسی شعر مین محضر کے مضمون کو یون ادا کیا ہے ؎

اللہ رے شوق قتل کہ اپنے ہی ہاتھ سے
اپنی ہی مہر ہے سر محضر لگی ہوئی۔

شیخ مرحوم کے سامنے جب یہ غزل پڑھی گئی اور اس شعر کی نوبت آئی تو شیخ مرحوم نے اس شعر پر وجد کیا اور اُٹھکر مولوی مذاق کو سینہ سے لگا لیا۔ اور یہ کہا کہ اسی ایک شعر کے معاوضہ مین اپنے سارے کلام کو بس بے لذت خیال کرتا ہون۔

شیخ مرحوم کے اور بہت سے شاگرد ہوئے ہین اور ہین جنکا ذکر اس کتاب مین کرنا بیفایدہ طول دینا ہے۔

شیخ مرحوم کا چال چلن بہ حالت مجموعی بہت اچھا تھا۔ اُس وقت کے لحاظ سے بہت عیبون سے بچے ہوئے تھے۔ مگر پھر بھی فرشتہ نہ تھے بشر تھے۔ اور بشریت سے کوئی شخص خالی نہین ہے چنانچہ ایک غزل مین کہتے ہین ؎

زاہد شراب پینے سے کافر ہوا مین کیون؟
کیا ڈیڑھ چلّو پانی سے ایمان بہ گیا؟

مگر ۳۶ برس کی عمر تھی جبکہ جملہ منہیات سے توبہ کی۔ اور اُس کی تاریخ کہی۔

اے ذوق بگو سہ بار توبہ
۱۲۷۱ھ

۱۲۷۱ھ مین انہین مرض موت نے آدبایا۔ بہت سے ہاتھ پاؤن مارے جیّد طبیب اور حاذق حکیم بلوائے۔ مگر پیش نہ گئی۔ آخر ۶۸ برس کی عمر مین ۲۴ صفر کی رات ۱۷ دن بیمار رہکر اس دنیائے فانی سے عالم جاودانی کو سفر کر گئے۔ مرنے سے تین گھنٹہ پہلے یہ شعر کہا ؎

کہتے ہین آج ذوق جہان سے گذر گیا
کیا خوب آدمی تھا خدا مغفرت کرے

"اردو اخبار" مین جو اندنون دلی کا چلتا پرزہ تھا۔ سال بھر تک ہر ہفتہ انکی وفات کی تاریخین چھپتی رہین۔

چوتھی فصل

تصنیف پر رائے

مولوی آزاد لکھتے ہین کہ جو غزلین شیخ مرحوم نے اپنے تخلص سے کہین اگر جمع کیجاتین تو بادشاہ کے چارون دیوانونکے برابر ہوتین - یہ بات بیشک درست معلوم ہوتی ہے - انہون نے کثرت مشق ہین فنا فی الشعر کا رتبہ حاصل کیا تھا - انکا دن رات یہی شغل تھا - اور اس شعر کی خاطر انہون نے دنیاوی لذتین موسمون کی بہارین - بدن کے آرام - دل کی آسائشین طبیعت کی امنگین سب کچھ چھوڑا - پس یہ ہرگز ممکن نہین کہ اس محنت کے بعد ایک مختصر سا دیوان اُن کی تصنیف ہو - اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے - کہ اُن کا کلام کہان گیا ہے - اسکا جواب ایک مصیبت کا افسانہ ہے - جس کی مرثیہ خوانی آزاد نے ان الفاظون مین کی ہے - کہ "انکی وفات کے چند روز بعد مین نے اور خلیفہ اسمٰعیل مرحوم نے چاہا کلام کو ترتیب دین - چنانچہ مین نے انکی اپنی غزلین اور قصاید انتخاب کرنے - یہ کام کئی مہینون مین ختم ہوا - غرض پہلے غزلین صاف کرنی شروع کین - اس خطا کا مجھے اقرار ہے - کہ کام کو مین نے جاری کیا - مگر اطمینان کے ساتھ کیا - مجھے کیا معلوم تھا - کہ اس طرح یکایک زمانہ کا ورق الٹ جائیگا - عالم تہ و بالا ہو جائیگا - حسرتونکے خون بہ جائینگے - دل کے ارمان ہی جانینگے - دفعتہً ۱۸۵۷ء کا غدر ہو گیا - کسی کا کسی کو ہوش نہ رہا - چنانچہ افسوس ہے کہ خلیفہ محمد اسمٰعیل انکے فرزند جسمانی کے ساتھ ہی انکے فرزندان روحانی بھی دنیا سے رحلت کر گئے"

جو کچھ انکا کلام موجود ہے اُسمین غزلین تازگی مضمون - صفائی کلام

چستیٔ ترکیب - خوبیٔ محاورہ اور عام فہمی کے لحاظ سے بہت عمدہ ہین - مگر انہین میر تقی میر کی سادگی - عبارت اور صفائی نہین ہے - اسلئے میدان غزل مین اُنکا رُتبہ اصول غزلیت کے لحاظ سے میر علیہ الرحمتہ سے کم ہے - میر کا انداز ہی نرالا ہے - انہون نے عجیب صنعت سے گھریلو زبان کو متانت کا رنگ دیکر محفل کے قابل بنایا ہے - شیخ مرحوم خود کہتے ہین ؎

نہ ہوا پر نہ ہوا میر کا انداز نصیب
ذوق یارون نے بہت زور غزل مین مارا

شیخ مرحوم نے جرأت کے انداز کی تقلید کرنی چاہی مگر اسمین انہین کامیابی حاصل نہین ہوئی - سبب اسکا یہ ہے - کہ شیخ مرحوم کا انداز مختلف اوقات مین مختلف رنگ پر ہے - اپنے دیوان مین کبھی تو وہ اہل تصوّف کا انداز اختیار کرکے سنجیدہ اشعار سُناتے ہین - اور عاشقانہ شوخی اور بانکپن کا لہرا دکھاتے ہین - میان جرأت نے میر علیہ الرحمتہ کے طرز تغزل کو لیا - اور اُس کی فصاحت اور سادگی پر شوخی اور بانکپن کا انداز ایسا بڑھایا کہ جس سے پسند عام نے شہرت دوام کا فرمان دیا - غزل گوئی مین کمال حاصل کرنے کے لئے حریف - ظریف - خوش طبع - عاشق مزاج ہونا ضروری ہے - یہ تمام صفتین جرأت مرحوم مین موجود تھین - مگر شیخ مرحوم مین نہ تھین - اسلئے اُنکا رُتبہ غزلون کے لحاظ سے بقائے دوام کے دربار مین جرأت سے کمتر ہے - مفصلہ ذیل اشعار ملاحظہ کیجئے ؎

میر

برقع کو اُٹھا چہرہ سے وہ بُت اگر آئے
اللہ کی قدرت کا تماشا نظر آئے

سودا

اِس دلکی تنفّس سے کب شعلہ بر آئے
بجلی کو دم سرد سے جس کے حذر آئے

مصحفی

ہرگز نہ مراد دل معشوق بر آئے
یارب نہ شب وصل کے پیچھے سحر آئے

جرأت

اُس پردہ نشین سے کوئی کس طرح بر آئے
جو خواب مین بھی آئے تو مُنہ ڈھانک کر آئے

ذوق

ناقص کا صفا کیش سے مطلب بر آئے
جو کور ہو عینک سے اُسے کیا نظر آئے
فردوس مین ذکر اُس لبِ شیرین کا گر آئے
پانی دہن چشمۂ کوثر مین بھر آئے

اِن اشعار کے مقابلہ مین اصول غزلیت مدنظر رکھنا چاہیے۔ غزل کا زیور سادگی فصاحت اور صفائی ہے اور مطالب کی دقت۔ مضامین کی بلند پروازی۔ بندش کی چستی۔ الفاظ کی شان شکوہ لازمہ قصاید کا ہے۔

شیخ مرحوم کے قصاید لاثانی ہین۔ سخن کے پرکھنے والون پر روشن ہے کہ غزل اور قصیدہ کے دو میدانون مین زمین اور آسمان دن اور رات کا فرق ہے مضامین کی بلند پروازی۔ الفاظ کی شان و شکوہ قصاید کے لیے ضروری ہے اوّل قصاید کا کہنا اور پھر اس دہوم دہام سے اعلےٰ درجہ فصاحت و بلاغت پر پہنچانا پہلا فخر مرزا رفیع سودا کا ہے۔ وہ اِس میدان مین کلام کے زور و شور مین انوری اور خاقانی۔ اور نزاکت مضمون مین عرفی اور ظہوری جیسے سہسوارون کے ساتھ عنان در عنان ہی نہین گئے بلکہ اکثر میدانون مین آگے نکل گئے ہین سودا کے بعد میر انشاء اللہ خان انشا نے قصاید بڑی دہوم دہام سے کہے مگر وہ آسمان سخن کا شاہین تیز پنجہ تھا۔ اِسکی طبیعت مین طاقت بہت تھی اور اسپر قابو نہ تھا۔ اِسلیے اُنکے قصاید مین کہین کہین بے اعتدالیان موجود ہین جنسے

قصیدہ کی متانت اور وقار کا اصول ہاتھ سے جاتا رہا ہے۔ اشعار کے بعد ذوق نے قصیدہ لکھے کہ بقول آزاد ہند کی زمین کو آسمان کر دکھایا۔ واقعی قصائد اردو مین شیخ مرحوم سب شعرا سے سوائے مرزا رفیع سودا کے بڑھکر ہین۔ اسلئے انکا رتبہ بطور شاعر بحالت مجموعی جرأت سے بڑھکر ہے۔

مثنوی شیخ مرحوم کی مین نے کوئی نہین دیکھی۔ مولوی آزاد لکھتے ہین کہ شیخ مرحوم نے نواب حامد علیخان مرحوم کی فرمائش سے ایک عاشقانہ خط جسکا نام نامہ جانسوز تھا لکھا تھا۔ جسکے تین سو شعر ہو گئے تھے۔ انہین اوّل حمد و نعت۔ پھر ساقی نامہ۔ پھر القاب معشوق۔ پھر سراپا۔ پھر یاد ایام وغیرہ تھی۔ شاید یہ مثنوی بھی اونہین غزلون مین گئی جو انکے صاحبزادہ کے پاس نہین۔

مرثیے اور سلام کہنے کا انہین موقع نہین ملا۔

تاریخون کی بابت مولوی آزاد لکھتے ہین کہ شیخ مرحوم نے صدہا تاریخین کہین مگر یہ کہ انکی بادشاہ کے حصہ مین آئی۔ کیونکہ بہت بلکہ کل تاریخین انہین کے نام سے ہوئین۔ مولوی آزاد کی کلام سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ چارون دیوان بادشاہ کے دراصل ذوق مرحوم کے لکھے ہوئے ہین۔ یہ بات مجھے اتو کہی معلوم ہوتی ہے۔ وہ ہی مثل ہوئی۔ فوج بیچاری لڑے اور نام ہو سردار کا۔ مرزا ابو الظفر نے اپنی تمام عمر شعر و سخن مین صرف کر دی اور پھر نام انکے استاد کا ہو گیا۔ بادشاہ کی غزل کو صرف شیخ مرحوم نے ہی اصلاح نہین دی۔ بلکہ شاہ نصیر اور میر بیقرار بھی اصلاح دیتے رہے۔ اس خیال سے بہتر تھا کہ مولوی آزاد یہ فرماتے کہ ایک دیوان بادشاہ کو شاہ نصیر۔ اور بیقرار نے کہدیا۔ اور تین دیوان شیخ مرحوم نے کہدیے یہ امر مسلمہ ہے کہ بہادر شاہ ملک ایجاد کا بادشاہ تھا۔ وہ خود نئی نئی باتین نکالتا تھا۔ ستر برس اس نے شعر و سخن مین صرف کئے تھے۔ مجھے یہ یقین نہین آتا۔ ہرگز یقین نہین آتا۔ کہ اس نے ذوق سے غزلین کہلا کر اپنا تخلص انہین داخل کر لیا۔ کیا بادشاہ کو ڈھنگ ہوا کرتے ہین۔ کیا انہین شعر کہنے کا ملکہ نہین ہوتا۔ کیا ان کی استعداد دماغی کمزور ہوتی ہین۔ صرف اسوجہ سے کہ وہ بادشاہ ہین۔ جیسے انسان ذوق غالب اور مومن ہوئے ہین۔ ویسے ہی بہادر شاہ بھی انسان تھا پھر کیون نہ تسلیم کیا جاوے کہ چار دیوان جو اسکے موجود ہین۔ اسکی اپنی طبیعت کا کرشمہ ظہور ہے۔ اصلاح کے معنے یہ نہین ہوتے ہین کہ پوری غزل کہلکر حوالہ کر دیجائے۔ اصلاح کا

یہ مطلب ہے کہ اگر عجز طبیعت ہو تو اسمین شان و شکوہ پیدا کر دیا جاوے۔ اور کہین کہین ایک آدھ لفظ بدلکر مصرعہ کو بشرط ضرورت چست کر دیا جاوے۔

مولوی آزاد فرماتے ہین کہ شیخ مرحوم نے بادشاہ کے لئے چار دیوان کہے اور مین یہ کہتا ہون کہ ذوق خاقانیٔ ہند ظفر کے استاد دین کر ہوئے۔ شیخ مرحوم کو ظفر کا استاد بنا بیٹھنے ہی یہ شہرت نصیب ہوئی۔ اور ایسے ایسے اسباب مہیا ہوئے جن سے انہون نے عوام مین عزت حاصل کی۔ اگر ظفر شاگرد نہ ہوتے تو غریب جو والد سے آپکو میراث مین پہنچی تھی انہین اوسط درجہ کے شاعرون مین ہی سمجھ دیتی۔ یہ بادشاہ کا ہی ڈر تھا کہ اور شاعر اُن سے دبتے تھے۔ اور علانیہ مقابلہ پر آتے ہوئے چکراتے تھے۔ قصہ مختصر ذوق مرحوم کو جو کچھ فروغ ہوا۔ وہ ظفر کی بدولت ہوا۔ اسمین کلام نہین کہ انکی طبع رسا تھی۔ مگر ولیعہد بہادر کے سلوک نے انکے حق مین وہ اثر کیا۔ جو خربوزہ کے حق مین قندکرتی ہے۔ ولیعہد کی بات تو درکنار مولوی آزاد تو یہانتک فرماتے ہین کہ دیوان معروف جواب رائج ہے وہ تمام کمال شیخ مرحوم کا اصلاح کیا ہوا ہے۔

اور تسبیح زمرد کا تمام سلسلہ شیخ مرحوم کا کہا ہوا ہے۔

جانئے انصاف ہے کہ نواب الہی بخش خان معروف۔ جیسے فن شعر کا ماہر کامل غیر کے کہے ہوئے اشعار اپنے نام سے مشہور کرانے کب عقل گوارا کر سکتی ہے۔ افسوس ہے شیخ مرحوم کی تعریف مین مولوی آزاد نے حد اعتدال سے تجاوز کیا ہے۔ اور سراسر انصاف کا خون کیا ہے۔ شیخ مرحوم کی وفات کے بعد بھی ظفر نے غزلین کہین ہین۔ جو پہلی کہی ہوئی غزلون سے کسی طرح رتبہ مین کم نہین ہین۔ اور مجھے مجبور کہنا پڑتا ہے۔ کہ جو تعریف مولوی آزاد نے ذوق مرحوم کی کی ہے۔ وہ اُس تعریف کے مستحق نہین تھے۔ چشم انصاف سے دیکھا جاوے تو یہ الفاظ انکی صفت مین نہایت موزون ہین:۔

شیخ ابراہیم۔ ایک بڑے تیز طبع لائق شاعر تھے۔ جنکی غزلیات اصول غزلیت کے لحاظ سے میر علیہ الرحمتہ۔ اور جرأت مرحوم کی غزلیات سے رتبہ مین کم ہین۔ جنکے قصائد مرزا رفیع کے قصائد سے دوسرے درجہ پر ہین مگر اور سب شعرا سے اردو زبان کے قصائد سے بہتر ہین۔

اب اگر کوئی پوچھے کہ سرکاری مدارس مین دیوان ذوق کیون رائج ہے۔ تو

اسکا جواب یہ ہے کہ یہ مولوی آزاد کی عنایت ہے۔ وہ سررشتہ تعلیم اور پنجاب ٹکسٹ بک کمیٹی کے ایک کارکن رکن تھے۔ جو تجویز انہوں نے پیش کی وہی منظور ہوئی۔ اردو فارسی کی درسی کتابیں مولوی آزاد کی رائے سے مقرر ہوا کرتی تھیں۔

اصل معاملہ یہ ہے کہ جو چار دیوان ظفر کے رائج ہیں۔ وہ مرزا ابوالظفر کے اپنے کہے ہوئے ہیں۔ اور شیخ زمرد۔ نواب معروف کی ذاتی لیاقت کا نمونہ ہے۔ البتہ کہیں کہیں انہیں ضرور شیخ مرحوم نے کوئی کوئی شعر چست اور درست کر دیا ہوگا۔

شیخ مرحوم کی کلام پر لوگ اعتراض بھی کرتے ہیں۔ چنانچہ مفصلہ ذیل بطور نمونہ درج کئے جاتے ہیں۔

ایک غزل کا شعر ہے ؎

اس نزاکت پر نظر کرنا کہ وہ رشک پری
بال بھی باندھے ہے جو مسکے پر تو زلف حور کا

مولوی عمو جان صاحب دلی فرمانے لگے۔ کہ جس معشوق کے بدن مسکے ہوں وہ خوبصورت خاک ہوگا۔ مسوں کا ہونا سخت عیب ہے

انکا شعر ہے ؎

نشان بے رواجی گر دکھائے زور مٹ جاوے
جھپک سے دیدہ صراف کے نقش درم میرا

اکثر لوگ کہتے ہیں کہ یہ شعر مہمل ہے۔ مگر میری رائے میں یہ اعتراض واہی ہے۔ اس شعر کے یہ معنے ہیں۔ نشان بے رواجی گر زور دکھائے تو میرا نقش درم دیدہ صراف کی جھپک سے مٹ جائے۔ یعنے میری بے رواجی اور بے قدری جب زور دکھاتی ہے۔ تو یہ ہوتا ہے کہ جب میں درم لیکر صراف کے پاس پرکھوانے لیجاتا ہوں تو صراف اس کو قبول کرتا ہے۔ لیکن جتنی دیر میں وہ آنکھ جھپکتا ہے اس اثنا میں نقش درم مٹ جاتا ہے۔ اور وہ درم کھوٹا ہو جاتا ہے ایک پرانی غزل کا شعر ہے ؎

سر بوقت ذبح اپنا اسکے زیر پائے ہے
یہ نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے

لوگون نے کہا یہ صفتی ترکیب ہے۔ اسمین سے زیادہ کرنی جائز نہین مولوی آزاد کہتے ہین۔ یہ اعتراض کم نظری کے باعث سے ہے۔ اور یہ شعر سند مین پیش کرتے ہین ؎

درختے کہ اکنون گرفت است پائے
بہ نیروے شخصے بر آید ز جائے

مگر میرے خیال مین یہ ترکیب فارسی مین جائز ہے۔ اردو مین نہین انکا ایک مطلع ہے ؎

مرے جو موت کے عاشق بیان کہو کرتے
مسیح و خضر بھی مرنے کی آرزو کرتے

اسپر اعتراض ہوا۔ کہ الفاظ "کہو" "واچھڑے" "بل بے" وغیرہ متروک ہو چکے ہین۔ اب کہو کی جگہ کبھی کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ ان کا ایک شعر ہے ؎

بل بے وحشت ابتلک بھی شاخ آہو کیطرح
پیچ کھاتا ہے دہوان میرے چراغ گور کا

اس شعر مین بھی لفظ بل بے پر اعتراض تھا۔

ایک پرانی غزل کا شعر ہے ؎

دانہ خرمن ہے ہمین قطرہ ہے دریا ہمکو
آئے ہے جز مین نظر کل کا تماشا ہمکو

اسپر اعتراض ہوا کہ اصل لفظ جزو ہے۔ فقط جز صحیح نہین۔ اگرچہ لفظ واقعی جزو ہے۔ مگر رعایت نظم مین جزو کی جگہ جز بھی استعمال ہوا ہے مثلاً امیر خسرو فرماتے ہین ؎

ہرچہ کند در جزو در کل اثر
کلی و جزئیش بود زان خبر

اور میر تقی فرماتے ہین ؎

جز مرتبۂ کل کو حاصل کرے ہے آخر
ایک قطرہ نہ دیکھا جو دریا نہ ہوا ہوگا۔

انکی ایک غزل کا شعر ہے ؎

منہ اُٹھائے ہوئے جاتا ہے کہان تو کہ تجھے
ہے ترا نقش قدم چشم نمائی کرتا

نواب کلب حسین خان نادر۔ فرماتے ہین۔ (تجھے) دوسرے مصرعہ کا حق ہے۔ پہلے مصرعہ مین نہین لانا چاہیئے۔

شیخ مرحوم کا ایک شعر ہے ؎

لب تک اسکی جو ہوئی دسترس جام شراب
بنگیا خال لب اسکا مگس جام شراب

اسپر یہ اعتراض کرتے ہین۔ کہ خال کو تشبیہہ زاغ بستان ارم۔ ہندوی آتش پرست۔ سویدائے دل۔ نقطۂ ام الکتاب سے دیتے ہین کہ مگس سے جو ایک مکروہ شے ہے۔ اس کی کچھ مناسبت نہین۔ اور کہ اگر خال اس وضع کا ہے کہ اُس کا عکس مگس کی شکل کا ہے۔ تو سلام ہے ایسی خوبصورتی کو۔

شیخ علیہ الرحمتہ کا مشہور شعر ہے ؎

قسمت ہی سے ناچار ہون اے ذوق وگرنہ
سب فن مین ہون طاق مجھے کیا نہین آتا۔

معترض یہ اعتراض کرتے ہین کہ فن صیغہ واحد ہے اور سب جمع کے ساتھ آتا ہے۔ سب فنون مین ہونا چاہیئے تھا۔ مگر میرے خیال مین یہ غلطی کتابت ہے۔ اصل مصرعہ یون ہے۔ ع

ہر فن مین ہون مین طاق مجھے کیا نہین آتا

اسکا ایک اور شعر ہے ؎

تھا کوچۂ قاتل مین شہادت کا دفینہ
کھودا جو کنوان گنج شہیدان نکل آیا

اس شعر کی نسبت یہ اعتراض کرتے ہین کہ شہادت صفت ہے موصوف نہین ہے یعنے شہادت وہ حالت ہے۔ جو شہیدون پر واقع ہوتی ہے۔ اوّل تو صفت کا وجود نہین ہوتا۔ اسلیئے اُسکا دفینہ ہونا معلوم۔ دوم یہ کہ دوسرے مصرعہ مین لکھا ہے کہ گنج شہیدان نکل آیا یعنے دوسرا مصرعہ جو نتیجہ وہ دعوی کے جو پہلا مصرعہ ہے نقیض ہے۔ یعنے پہلے مصرعہ مین لکھا ہے کہ دفینہ شہادت ہے۔ اور دوسرے مین لکھتے ہین کہ وہ گنج شہیدان ہے۔

شیخ مرحوم کے کلام پر اعتراض کرنا بھی حماقت ہے۔ وہ اس رتبہ کے شاعر نہ تھے کہ ہر ایک اُنکے اشعار پر نکتہ چینی کرلے۔ وہ ایک ذی لیاقت قادر الکلام شاعر تھے۔ اور بندش مضمون۔ درستی الفاظ۔ مناسبت تشبیہہ و استعارات کے لحاظ سے اُنکا کلام بالکل عیوب سے پاک ہے۔ اگر وہ معمولی درجہ کے شاعر ہوتے تو ظفر جیسا سخن شناس اُنکو اُستاد بنا کر عزت کو بٹا نہ لگاتا۔

غزلیات

گُل اُس نگہ کے زخم رسیدہ نہیں ملگیا
یہ بھی لہو لگا کے شہیدوں میں ملگیا

کیا جانے تیغ عشق کی لذت کو بوالہوس
گو جوں ملخ وہ حلق بریدہ نہیں ملگیا

گر بعد فقر پھر سگ دنیا ہوا فقیر +
کم بخت پاک ہو کے پلیدوں میں ملگیا

دکھلا کے کہکشان فلک چاک سینہ رات
اُس ماہوش کے سینہ دریدہ نہیں ملگیا

اُس شکل سے ہوا وہ طلبگار دید یار
صاف آئینہ کا دیدہ ندیدہ نہیں ملگیا

حُبِّ حسین ذوق وہ شے ہے کہ جس سے حُر
تھا گرچہ اشقیا میں سعیدوں میں ملگیا

نالہ اس شور سے کیوں میرا دوہائی دیتا
اے فلک گر تجھے اونچا نہ سنائی دیتا

دیکھ چھوٹوں کو ہے اللہ بڑائی دیتا +
آسمان آنکھ کے تلمیں ہی دکھائی دیتا

لاکھ دیتا فلک آزار گوارا تھی مگر
ایک تیر انہ مجھے درد جدائی دیتا

پنجہ مہر کو خون شفقی میں ہر روز نہ
غوطے کیا کیا ہے تیرا دست حنائی دیتا

روش اشک گرا دینگے نظر سے اکدن
ہے اِن آنکھوں سے یہ ہی مجھکو سجھائی دیتا

میں ہوں وہ صید کہ پھر دام میں پھنستا جاکر
گر قفس سے مجھے صیاد رہائی دیتا +

کون گھر آئینہ کے جاتا اگر وہ گھر میں
خاکساری سے نہ جاروب صفائی دیتا

خوگر ناز ہوں کس کا کہ مجھے ساغر مے
بوسہ لب نہیں بے چشم نمائی دیتا +

مُنہ سے بس کہتے نہ ہرگز یہ خدا کے بندے
گر حریصوں کو خدا ساری خدائی دیتا

دیکھ گر دیکھنا ہے ذوق کہ وہ پردہ نشیں
دیدۂ روزن دل سے ہی دکھائی دیتا

ہم ہین اور سایۂ تیرے کوچہ کی دیوار ونکا
کام جنت مین ہے کیا ہم سے گنہگار ونکا

محتسب گرچہ دل آزار ہے مے خوار ونکا
دیجیے اک جام تو ہے یار ابھی یار ونکا

اتنا تو سوز و فغان ہو کہ چمن مین بلبل
خرمن گل کی جگہ ڈھیر ہو انگار ونکا

چرخ پہ بیٹھ رہا جان بچا کر عیسے
ہو سکا جب نہ مداوا تیرے بیمار ونکا

ہون رگین حلق بریدہ کی بہار خونبار
گر تماشا تجھے منظور ہو فوّار ون کا

ہین کماندار تیرے تیر مژہ تشنۂ خون
منہ کہلا رہتا ہے اسواسطے سوفار ونکا

کیون نہ ہر تار مین سو دل ہون گرفتار کہ یہ
جینخانہ ہے محبت کے گرفتار ون کا

دینگے جان بوسۂ لعل نگین پر ہم بھی
جان نثاری ہے اگر شیوہ نمک خوار ونکا

بے سیاہی نہ چلا کام قلم کا اسے ذوق
روسیاہی سر و سامان ہے یہ کار ونکا

میرے سینے سے تیر آمیز جب اے جنگجو نکلا
دہان زخم سے خون ہو کے حرف آرزو نکلا

میرا گھر تیر آمیز نگاہ ہو یہ کہان طالع
خدا جانے کدھر کا چاند آج اے ماہرو نکلا

پھر اگر آسمان تو شوق مین تیرے ہو سرگرداں
اگر خورشید نکلا تیر اگر مہ جستجو نکلا

مے عشرت طلب کرتے تھے ناحق آسمان سے ہم
کہ آخر جب اسے دیکھا فقط خالی سبو نکلا

تیرے آتے ہی آتے کام آخر ہو گیا میرا
رہی حسرت کہ دم میرا نہ تیرے روبرو نکلا

نہین تجھکو نہ پایا گرچہ ہمنے ایک جہان ڈھونڈا
پھر آخر دل ہی مین دیکھا بغل ہی مین تو نکلا

نکل اپنے گھر ہون سے ہمون مین یہان تک کہ جب رویا
تو جو آنسو میری آنکھون سے نکلا سرخرو نکلا

نکلے سب دخن تیر اور ٹوٹی سر سوزن
مگر تھا دل مین جو کانٹا نہ وہ ہرگز کہو نکلا

اسے عیار یا یار سمجھے ذوق ہم جسکو
جسے یہ دوست اپنا ہمنے جانا وہ نہ ونکلا

بے یار روز عید شب غم سے کم نہین
جام شراب دیدۂ پر نم سے کم نہین

دیتا ہے دور چرخ کسے فرصت نشاط
ہو جسکے پاس جام وہ اب جم سے کم نہین

اس لعل فتنہ زا کے لئے اے مسیح دم
کچھ دست شانہ پنجۂ مریم سے کم نہین

زیبا ہے سرخی زرد پہ کیا اشک لالہ گون
اپنی خزان بہار کی موسم سے کم نہین

سرعت ہے نبض کی رگ سنگ مزار مین
دلکی تپش کچھ اب بھی تپ غم سے کم نہین

ہوتی ہے جمع زر سے پریشانی آخرش
درہم کی شکل صورت درہم سے کم نہین

ساقی ملے ہزار فلاطون مین خاک مین
جو خم تہی ہے قالب آدم سے کم نہین

اُس حور وش کا گھر مجھے جنت سے ہے سوا
لیکن رقیب ہو تو جہنم سے کم نہین +

شور آہ سرشک سے دہوتا ہون زخم دل
تیزاب میرے حقمین یہ مرہم سے کم نہین

ہاتھون سے تیرے پارۂ الماس خم دل
مجھکو تو جلوۂ گل شبنم سے کم نہین +

اے ذوق کس کو چشم حقارت سے دیکھئے
سب ہم سے ہین زیادہ کوئی ہم سے کم نہین

جُدا ہون یار سے ہم۔ اور نہ ہون رقیب جُدا
ہے اپنا اپنا مقدر جُدا۔ نصیب جُدا

تیری گلی سے نکلتے ہی اپنا دم نکلا
رہے ہے کیونکہ گلستان سے عندلیب جُدا

دکھاوے جلوہ یہ مسجد مین وہ بتا کافر
تو چیخ اُٹھے موذن جُدا خطیب جُدا

جُدا نہ درد جُدائی ہو گر میرے اعضا
حروف درد کی صورت ہون اے طبیب جُدا

ہجوم اشک کے ہمراہ کیون نہ ہو نالہ
کہ فوج سے نہین رہتا کبھی نقیب جُدا

فراق خلد سے گندم ہے سینہ چاک اپنا
الٰہی ہو نہ وطن سے کبھی غریب جُدا

کیا حبیب کو مجھ سے جُدا فلک نے۔ مگر
نہ کر سکا کبھی مجھ سے غم حبیب جُدا +

کرین جُدائی کا کس کس کی رنج ہم اے ذوق
کہ ہونے والے ہین سب ہم سے عنقریب جُدا

کسی بیکس کو اے بیداد گر مارا تو کیا مارا
جو آپ ہی مر رہا ہو اُسکو گر مارا تو کیا مارا

نہ مارا آپکو جو خاک ہو اکسیر بن جاتا +
اگر مارے کو اے اکسیر گر مارا تو کیا مارا

بڑے موذی کو مارا نفس امارہ کو اگر مارا
نہنگ و اژدہا و شیر نر مارا تو کیا مارا

خطا تو دلکی تھی قابل بہت سی مار کھانیکے
تیری زلفون نے مشکین باندھکر مارا تو کیا مارا

نہین وہ قول کا سچا ہمیشہ قول دیدیکر
جو اُس نے ہاتھ میرے ہاتھ پر مارا تو کیا مارا

تفنگ و تیر تو ظاہر نہ تھا کچھ پاس قاتل کے
الٰہی پھر جو دلپر تاک کر مارا تو کیا مارا +

ہنسی کے ساتھ یان روتا ہے مثل قلقل مینا
کسی نے قہقہہ اے بیخبر مارا تو کیا مارا +

میرے آنسو ہمیشہ ہین برنگ لعل غرق خون
جو غوطہ آب مین مارا اگر مارا تو کیا مارا

جگر دل دونون پہلو مین ہین زخمی سے کیا جانین
ادھر مارا تو کیا مارا اُدھر مارا تو کیا مارا

دل سنگین خسرو پر بھی ضرب کوہکن پہنچا
اگر تیشہ سر کہسار پر مارا تو کیا مارا

گیا شیطان مارا ایک سجدہ کے تکر نیمین
اگر لاکھون برس سجدہ مین سر مارا تو کیا مارا

دل بدخواہ مین تھا مارنا یا چشم بدبین مین
فلک پر ذوق تیر آہ گر مارا تو کیا مارا

فصل پانچوین

ذوق - انشا - غالب

اِس فصل مین ہمین یہ مدنظر ہے - کہ شیخ ابراہیم کا مقابلہ سیّد انشاءاللہ خان - اور مرزا اسد اللہ غالب - سے کرین - اِسلئے ضرور ہے کہ کچھ سیّد انشا اور غالب کے مختصر حال سے بھی ناظرین کو آگاہ کیا جاوے -

سیّد انشاءاللہ خان انشا - میر ماشاءاللہ خان - کے بیٹے تھے - اِنکے بزرگ نجف اشرف سے سمرقند آئے اور سمرقند سے دلّی مین آکر سکونت اختیار کی - میر ماشاءاللہ خان - دربار شاہی مین طبیب تھے - اور اِسوقت کے یکتائے زمان سمجھے جاتے تھے - کہتے ہین اُنکے ہاتھ مین شفا تھی - انشا نے جیسا امیرزادونکا دستور تھا سب ضروری علوم و فنون مین کما حقہ لیاقت حاصل کی - قدرت نے اُنھین ایسا طبع اور حافظہ و ماغ پیدا کیا تھا - کہ کروڑون مین ایک تھے - بیشک ایسا تیز طبع انسان ہندوستان مین کم پیدا ہوا ہوگا - اُنکی طبیعت ایک ہیولے تھی - کہ ہر قسم کی صورت پکڑ سکتی تھی - انشا نے اپنا آبائی پیشہ اختیار نہین کیا اُنھون نے شاعری کو لیا - اور اِسمین وہ وہ تصرف کیے کہ اُنکے کلیات کو دیکھنے والا حیران رہجاتا ہے - اُنھون نے شاعری کی بدولت وہ عروج پایا کہ نواب سعادت علیخان کی ناک کا بال بنگئے - اپنی لیاقت کمال - اور شگفتہ مزاجی کے طور خلائق ہوگئے - اُنکے دروازہ پر پالکی - نالکی اور ہجوم سے رستہ نہ ملتا تھا - لکھنؤ مین کوئی رئیس نہ تھا - جو انشا سے نہ واقف ہو - اور اُنکی ملاقات فخر نہ سمجھتا ہو - مگر افسوس ہے انشا کا انجام بخیر نہ ہوا - آخر مین دروازہ جہان ہاتھی جھولتے تھے - وہان کتے لوٹتے تھے - اور خاک اوڑاتی تھی - سعادت علیخان

نے اُنکی اخیر حالت کا اسطرح فوٹو کھینچا ہے۔ کہ ایک قصہ مین لکھنؤ گیا۔ اور سرا مین
اُترا۔ قریب ہی مشہور ہے۔ اتنا کہکر مین بھی جلسہ مین پہنچا۔ کیا دیکھتا ہون کہ
کہ ایک شخص میلی کچیلی روئی دار مرزئی پہنے۔ سر پر ایک میلا سا پیٹا۔ گھٹنا پانون مین
گلے مین پھکیون کا توڑا ڈالے ایک کپڑے کا حقہ ہاتھ مین لئے آیا۔ اور سلام علیکم کہکر بیٹھ گیا
اُس نے اپنے توبڑہ مین ہاتھ ڈالکر تمباکو نکالا۔ اور اپنی چلم پر سلفا جما کر کہا کہ بھئی ذرا سی
آگ ہو تو اسپر رکھ دینا۔ اسیوقت آوازین بلند ہوئین اور گڑگڑی ٹھک پیوان سے
لوگ تواضع کرنے لگے۔ وہ بیدماغ ہوکر بولا کہ صاحب ہمین ہمارے حال پر رہنے دو
نہین تو ہم جلتے ہین۔ سب نے اُنکی بات تسلیم کی۔ دم بھر کے بعد پھر بولا کہ کیون صاحب
ابھی مشاعرہ شروع نہین ہوا۔ لوگون نے کہا۔ کہ جناب لوگ جمع ہوتے جاتے ہین
سب آجاوین تو شروع ہو۔ وہ بولا کہ صاحب ہم تو اپنی غزل پڑھ دیتے ہین یہ کہکر توبڑے
مین سے ایک کاغذ نکالا اور غزل پڑھنی شروع کردی :-

کمر باندھے ہوئے چلنے کو یہان سب یار بیٹھے ہین
بہت آگے گئے باقی جو ہین تیار بیٹھے ہین
پنجیڑے نکہت باد بہاری راہ لگ اپنی
بجھے اٹھکھیلیان سوجھی ہین ہم بیزار بیٹھے ہین
تصور عرش پر ہے اور سر ہے پائے ساقی پر
غرض کچھ اور دھن مین اسکھڑی منجدھار بیٹھے ہین
بسان نقش پائے رہروان کوئے تمنا مین
نہین اُٹھنے کی طاقت کیا کرین لاچار بیٹھے ہین
یہ اپنی چال ہے افتادگی سے اب کہ پھرون تک
نظر آیا جہان پر سایۂ دیوار بیٹھے ہین
کہان صبر و تحمل آہ ننگ و نام کھیلا ہے
میان روبیٹھ کر ان سبکو ہم یکبار بیٹھے ہین
انجیون کا عجب کچھ حال ہے اس دور مین یارو
جہان پوچھو یہی کہتے ہین ہم بیکار بیٹھے ہین

بھلا گردش فلک کی چین دیتی ہے کسے انشاء
غنیمت ہے کہ ہم صورت یہان دو چار بیٹھے ہین

غزل پڑھ۔ کاغذ پھینک۔ سلام علیکم کہکر چلے گئے۔ غزل پڑھنے مین۔ مین نے
پہچانا کہ لو ہو یہ تو انشاء ہین۔

پھر جو میرا لکھنؤ جانے کا اتفاق ہوا۔ تو پوچھتا ہوا گھر پہنچا۔ ڈیوڑھی پر دستک دی
اندر سے کسی بڑھیا نے پوچھا کون ہے بھائی۔ مین نے کہا کہ سعادت یار خان دلی سے
آیا ہے۔ اُس عفیفہ نے پہچانا دروازہ پر آکر بہت روئین اور کہا کہ بیٹا اُنکی تو عجیب حالت ہے
اسے لو۔ مین ہٹ جاتی ہون تم اندر آؤ اور دیکھ لو۔ مین اندر گیا۔ دیکھا کہ ایک کونے مین
بیٹھے ہین۔ تن برہنہ ہے۔ دونون زانوؤن پر سر دھرا ہے۔ آگے رکھ کے ڈھیر مین ایک ٹوٹا سا

حقہ پاس رکھلیے۔"

سید انشاء اور ذوق مرحوم کی بیعتون بن کالے کوسون کا فرق تھا۔ انشاء شوخی طبیعت کے لحاظ سے سیماب تھے۔ تو ذوق مرحوم سنجیدگی کے خیال سے سنگلاخ چٹان سید انشاء اگر ایک شاہین تھے جسکے سینہ مین علوم و فنون کے زور بھرے تھے۔ اور جسکو طراری اور بیباکی کے بازو اڑا اسے لئے پھرتے تھے۔ تو ذوق مرحوم ایک بلبل ہزار داستان تھے۔ انشاء ہر بزم مین گدستہ احد اور ہر چمن مین پھولی تھے تو ذوق مرحوم بلکہ نگی کے باغ کے آزاد سرو تھے۔

ذوق مرحوم کا ایک نامکمل دیوان دیکھکر رونا آتا ہے۔ تو انشاء کی کلیات دیکھکر دل کا غنچہ پژمردہ کھل جاتا ہے۔ انشاء کا یہ حال تھا۔ کہ ہندوستان کی زبانین اُنکے گھر کی لونڈیان تھین۔ منٹ منٹ مین روپ بدلتے تھے ابھی پنجاب مین کھڑے تھے تو ابھی پورب مین جا نکلے۔ ابھی آج باشی تھے۔ تو ابھی مرہٹے ہو گئے۔ ابھی کشمیری تھے تو ابھی افغان بن گئے۔ مگر ذوق مرحوم نے جو کچھ کہا ہے وہ خاص دلی کی ٹھیٹھ اردو مین کہا ہے۔ انشاء کی طبیعت مین طاقت بہت تھی۔ مگر اُسپر قابو نہ تھا۔ ذوق کی طبیعت مین اسقدر طاقت تو نہ تھی۔ مگر جتنی طاقت تھی اُسپر کمال حقہ دختیار تھا۔ انشاء سمندر تھے تو ذوق میٹھے پانی کا چشمہ۔ سید انشاء کسی اصول کے پابند نہ تھے۔ مگر ذوق مرحوم کو اس امر کا بڑا خیال تھا۔ ذوق کے دیوان سے یہ ترشح ہوتا ہے کہ ایک دلی والے فصاحت و بلاغت سے گل افشانی کر رہا ہے۔ سید انشاء کی کلیات مین یہ لطف ہے کہ اُسے لیکر بیٹھو تو یہ معلوم ہوگا۔ کہ ایک ایرانی تازہ ولایت سے آیا اور شیرہ شیراز کے دو دو گھونٹ سبکو پلا گیا۔ ایک دو ورق الٹو تو دیکھو گے کہ ایک عرب العرب آیا۔ جبہ پہنے آیا۔ اور آب زمزم سب مین تقسیم کر گیا۔ ذرا اور آگے چلو تو دیکھو گے کہ مالیجاہ کابلی صرف ہی سب کا منہ بھاگ گیا پھر دیکھو گے کہ برج کی گوپیان پیروی کا تصویر چرتی نہائیں اور آگے بڑھکر دیکھو گے کہ جھنگ سیالے کی جنیان ایک ایک پیالہ لسی اور چھاچھ کا سب کو پلا گئین ہے آگے کشمیر کے بیٹے بیٹے اور دو آبین کا آپکے لئے چلم اور قہوہ لئے موجود ہین۔

ذوق مرحوم کے دیوان مین صرف غزلیات اور قصائد ہین اور سید انشاء کی کلیات مین دیوان غزلیات اردو و فارسی۔ دیوان ریختی۔ ریختی مین پہیلیان۔ مستزاد اردو و فارسی۔ مثنوی فارسی و اردو۔ دیوان بے نقط۔ پہیلیون۔ چیستان وغیرہ وغیرہ موجود ہین۔

ذوق مرحوم حتی الوسع کسی سے برسرِ پرخاش نہ ہوئے اور جہانتک مجھے علم ہے کسی کی ہجو نہین کہی اور سلامت روی کو ہمیشہ مدنظر رکھا۔

سید انشاء جسکے پیچھے پڑے۔ پنجہ جہاڑکر پڑے۔ اور ایسے ہاتھ دھوکر گرد ہوئے کہ اُسکو جان چھڑانی مشکل ہوگئی۔

غرض جملہ حالات کو ملحوظ خاطر رکھکر بقائے دوام کے دربار مین دونون کا رُتبہ مساوی سمجھنا چاہیے۔ اور ایک ہی نیم تخت پر دونونکو پہلو بہ پہلو بٹھانا چاہیے دو غزلین سید انشاء کی نمونہ کے طور پر ہدیہ ناظرین کرتا ہون :-

لگا کے برف سے ساقی صراحی مے لا
جگر کی آگ بجھے جس سے جلد وہ شے لا

قدم کو ہاتھ لگاتا ہون اُٹھ کہین گھر چل
خدا کے واسطے اتنے تو پانون مت پھیلا

نکل کے وادیٔ وحشت سے دیکھ اے مجنون
کہ زور دھوم سے آتا ہے ناقۂ لیلا

گرا جو ہاتھ سے فرہاد کے کہین تیشہ
درون کوہ سے نکلی صدائے واویلا

نزاکت اُس گُل رعنا کی دیکھیو انشاء
نسیم صبح جو چھو جائے رنگ ہو میلا

فخریہ انداز ملاحظہ ہو

ایک طفل دبستان ہے فلاطون میرے آگے
کیا منہ ہے ارسطو جو کرے چون میرے آگے

کیا مال بھلا قیصر فریدون میرے آگے
کانپے ہے پڑا گنبد گردون میرے آگے

مرغان اولی اجنحہ مانند کبوتر
کرتے ہین صدا عجز سے غون غون میرے آگے

منہ دیکھو تو نقارہ بجے پیل فلک بھی
نقارہ بجا کر کہے دون دون میرے آگے

ہون وہ جبروتی کہ کروہ حکما سب
چڑیون کی طرح کرتے ہین چون چون میرے آگے

بولے ہے یہ خامہ کہ کس کس کو مین باندھون
بادل سے چلے آتے ہین مضمون میرے آگے

کیا آکے ڈرا دے مجھے زلف شب یلدا
ہے دیو سفید سحری جون میرے آگے

مجرے کو میرے خسرو پرویز ہو حاضر
شیرین بھی کہے آکے بلا لون میرے آگے

یہ مار فلک کا ہکشان ہیچ ہے انشاء
کیا دخل جو بل کھا کے کرے فون میرے آگے

نجم الدولہ دبیر الملک مرزا اسد اللہ خان غالب۔ کے خاندان کا سلسلہ افراسیاب بادشاہ توران سے ملتا ہے۔ انکے دادا گردش زمانہ سے شاہ عالم کے زمانہ مین دہلی آئے تھے۔ انکے والد عبد اللہ بیگ ابتدا مین حیدر آباد مین تین سو سوار کی جمعیت

سے ملازم رہے۔ کئی برس کے بعد ایک خانہ جنگی کے بکھیڑے مین یہ صورت بگڑ گئی اسپر انہون نے راجہ بختاور سنگھ کی ملازمت اختیار کی۔ اور ایک لڑائی مین کام آئے۔ اسوقت مرزا پانچ برس کے تھے۔ جب سر سے والد کا سایہ اُٹھ گیا۔ مرزا عبداللہ بیگ خان کی وفات پر اُنکے بھائی نے جو اکبر آباد کے صوبہ دار تھے۔ اس دُرِّ یتیم کو دامن مین لیلیا۔ اتفاقاً یہ بھی مرگ ناگہانی کے پنجہ مین گرفتار ہوگئے۔ رسالہ برطرف ہوگیا اور جاگیر ضبط ہوگئی۔ بزرگون نے لاکھون روپیہ کی جائیداد چھوڑی تھی۔ مگر انقلاب زمانہ پر کسکا زور چل سکتا ہے۔ مرزا غالب کے حصّہ مین صرف ملک سخن کی حکومت ہی آئی۔ اور دولت مضامین پر قناعت کرکے غریبانہ حال سے زندگی بسر کرنی پڑی۔ آخر رامپور کے نواب نے انہین بلوا بھیجا۔ اور تعظیم خاندانی کے ساتھ دوستانہ و شاگردانہ تعلقات ہوکر ملاقات کی۔ نواب رامپور نے ۵۰ سے یہ دستور ٹھہرا دیا۔ کہ اگر مرزا دلّی رہین تو سو روپیہ ماہوار اور اگر رامپور رہین تو دو سو روپیہ ماہوار ملا کرے۔

مرزا بیچارے اکثر قرضدار رہا کرتے تھے۔ آخر قرضدارون نے نالش داغ دی۔ جب جوابدہی مین طلب ہوئے تو یہ شعر جواب دعوی کی جگہ پڑھ دیا ؎

مفت کی پیتے تھے مے۔ لیکن سمجھتے تھے کہ ہان
رنگ لائیگی ہماری فاقہ مستی ایک دن

مرزا نے ۷۳ سال کی عمر پائی۔ مرنے سے چند سال پہلے کانون اونچا سنائی دینے لگا۔ خوراک یہ رہگئی تھی۔ کہ صبحکو پانچ سات بادام کا شیرہ۔ ۱۲ بجے یخنی کا ایک کٹورا شام کو ۴ کباب تلے ہوئے۔ آخر ۱۸۶۹ء مطابق ۱۲۸۵ھ مین اُنکا مرغ روح اِس قفس عنصری سے پرواز کرگیا۔ مرنے سے چند روز پہلے یہ شعر کہا تھا ؎

دم واپسین بر سر راہ ہے
عزیزو اب اللہ ہی اللہ ہے

اگر نظر انصاف سے تعصب مذہبی۔ اور رعایت تعلقداری اور قرابت کو بالائے طاق رکھکر دیکھا جائے تو بادی النظر مین معلوم ہوجاتا ہے کہ غالب کا کلام جملہ شعرائے اردو کے کلام سے بہتر اور برتر ہے۔ ذوق مرحوم کو انکی معنی آفرینی اور نازک خیالی سے کچھ نسبت نہین۔ اُنکی صفائی اور تمام فہم غزلین میر اور جرأت

کے کلام کو شرماتی ہین اور اُنکی ادق اور مشکل ضلین آنشار۔ سودا۔ اور ذوق
کے کلام پر اوس برساتی ہین۔ اگر ذوق نازک خیالی کے آسمان کے باز تھے
تو مرزا غالب۔ عقاب بلند پرواز تھے۔ اگر ذوق اقلیم سخن کے بادشاہ تھے
تو غالب کشورِ سخن کے شاہنشاہ تھے۔ ذوق مرحوم نے بہادر شاہ ظفر کی حمایت
اور پشت پناہی سے ملک الشعرا کا خطاب پایا اور مرزا غالب نے گوشہ نشینی مین ہی
وہ کچھ کر دکھایا کہ چار دانگ عالم مین کوس شہرت بجایا۔ ذوق مرحوم کا نام تو ہندوستان
کی چار دیواری تک محدود ہے۔ مگر غالب کا کلام ایران تک پہنچا اور علم و زبان
فارسی مین سند سمجھا گیا۔ غالب اردو لٹریچر کے ڈاکٹر جانسن کی طرح "ڈکٹیٹر" یعنے
زبان اردو کے ادیب تھے۔ جب کسی مشکل شعر کے معنے حل طلب ہوتے تھے یا
کوئی امر فارسی یا اردو کا تحقیق طلب ہوتا تھا۔ تو لوگ غالب مرحوم کی ہی خدمت مین
رجوع لاتے تھے۔ غالب کا کلام اردو زبان کی ٹکسال ہے۔ غالب مرحوم مضامین
و معانی کے ہمیشہ کے شیر تھے۔ اُنکے اکثر شعر ایسے اعلیٰ درجہ رفعت پر واقع
ہوتے ہین۔ کہ ہر یک کا ذہن وہان تک نہین پہنچ سکتا۔ ذوق نے صرف نظم پر
قلم اُٹھایا اور مرزا غالب نے کشورِ نثر مین بھی سکہ چلایا۔ سکہ بھی وہ سکہ کہ جس کے
ظفر اسے شاہی مین یہ نقش ہوا کہ جب تک اردو و فارسی نظم و نثر کی جان مین جان ہے
مرزا غالب کا نام بھی زندہ رہے گا۔ ذوق مرحوم۔ صرف شاعر ہی تھے اور غالب علاوہ
شاعر وغیرہ کے ایک صاحب نظر مؤرخ بھی تھے۔ حضور سے خدمت تاریخ نویسی اُنکے
سپرد ہوئی تھی۔ مہر نیمروز اوسی زمانہ کی تصنیف ہے۔ اور اُسی زمانہ مین یہ خطاب عطا
ہوا تھا۔ یعنے "مرزا اسد اللہ خان غالب بہادر نظام جنگ"۔

کہتے ہین ایک دفعہ مشاعرہ مین حکیم آغا جان عیش۔ نے ظفر اور ذوق مرحوم
کے اشارہ سے غزل طرحی مین یہ قطع پڑھا ؎

اگر اپنا کہا تم آپ ہی سمجھے تو کیا سمجھے — مزا کہنے کا جب ہے اک کہے اور دوسرا سمجھے
کلام میر سمجھے اور زبان میرزا سمجھے — مگر اُنکا کہا یہ آپ سمجھین یا خدا سمجھے

جب یہ خبر اس ملک بے نیازی کے بادشاہ کو کہ اقلیم سخن کا بھی شاہنشاہ تھا پہنچی
تو ایک ہی شعر سے سبکو جواب دیدیا ؎

نہ ستائش کی تمنا ہے نہ صلہ کی پروا
نہ سہی گر مرے اشعار مین معنے نہ سہی

پھر ایک رباعی کہی ؎

مشکل ہے رہیں کلام میرا اے دل — سن سن کے اُسے سخنوران کامل
آسان کہنے کو کرتے ہیں فرمائش — گویم مشکل وگرنہ گویم مشکل

ایک دفعہ مرزا غالب۔ ہوا خواہان ذوق کی لاف وگزاف سے ناراض ہوگئے اور فرمانے لگے۔ اردو زبان میں بچوں سے تل لینا۔ کوئی بڑی بات نہیں مزا تب ہے کہ فارسی عربی میں بھی کچھ کہہ کے سنائیں۔ پھر ایک ۲۰ یا ۲۵ شعر کا ایک قطعہ لکھا جسمیں ایک شعر یہ تھا ؎

راست میگویم من و زر راست سر نتوان کشید
ہر چہ در گفتار فخر نست آن ننگ من است

یہ صاف ذوق کی طرف چشمک ہے۔

مرزا جوان بخت کی شادی کے اہتمام میں بڑی دھوم دھام سے سامان ہوئے مرزا نے یہ سہرا کہہ کر حضور میں گذرانا۔

سہرا

خوش ہو اے بخت کہ ہے آج تیرے سر پہ سہرا
باندھ شہزادہ جوان بخت کے سر پہ سہرا
کیا ہی اس چاند سے مکھڑے پہ بھلا لگتا ہے
ہے تیرے حسن دل افروز کا زیور سہرا
سر پہ چڑھنا تجھے جچتا ہے پرے طرف کلاہ
مجھکو ڈر ہے کہ نہ چھینے تیرا منہ سر سہرا
تاؤ بھر کر ہی پروئے گئے ہونگے موتی
ورنہ کیوں لائے ہیں کشتی میں لگا کر سہرا
سات دریا کے فراہم کئے ہونگے موتی
تب بنا ہوگا اس انداز کا گز بھر سہرا
رخ پہ دولہا کے جو گرمی سے پسینا ٹپکا

ہے رگِ ابر گہر بار سہرا سر سہرا
یہ بھی اک بے ادبی تھی کہ قبا سے بڑھ جائے
رہ گیا آنکے دامن کے برابر سہرا
جیمین اترائین نہ موتی کہ ہمین ہین اک چیز
چاہیے پھولون کا بھی ایک مکرر سہرا
جبکہ اپنے مین سماوین نہ خوشی کے مارے
گوندھے پھولون کا جلا پھر کوئی کیونکر سہرا
رخِ روشن کی دمک گوہرِ غلطان کی چمک
کیون نہ دکھلائے فروغِ مہ و اختر سہرا
تار ریشم کا نہین ہے یہ رگِ ابر بہار
لائیگا تاب گرانبارئ گوہر سہرا
ہم سخن فہم ہین غالب کے طرفدار نہین
دیکھین اس سہرے سے کہدے کوئی بہتر سہرا

اس سہرے کا صلہ یہ ملا کہ بادشاہ کہنے لگے اب ہم پر بھی چشمگین ہونے لگین کیا اس سہرے کے برابر کوئی سہرا کہنے والا نہین۔ گویا ہمنے ذوق کو طرفداری سے ملک الشعرا اور استاد بنایا ہے۔ چنانچہ اسی وقت ذوق مرحوم کو بلوایا اور کہا کہ تم بھی ایک سہرا کہدو مگر مقطع پر نظر رکھنا۔ ذوق مرحوم نے غالب کے سہرے پر یہ سہرا کہا :-

سہرا

اے جوان بخت مبارک ہو تیرے سر پہ سہرا
آج ہے یمن و سعادت کا تیرے سر پر سہرا
آج وہ دن ہے کہ لائے دُرِ انجم سے فلک
کشتیٔ زر مین مہ نو کی لگا کر سہرا
تابش حسن سے مانند شعاع خورشید
رخ پر نور پہ ہے تیرے منور سہرا

وہ کہ مل جائے یہ کہے سبحان اللہ
دیکھیں کھڑے پہ پیتر سے مہر و اختر سہرا
تابنی اور بنے ہیں رسے اخضر سہرا
گوندھے سورۂ اخلاص کو چھ کر سہرا
دھوم ہے گلشن آفاق میں اس سہرے کی
اللہ اللہ رے پھولوں کا معطر سہرا
روئے فرخ پہ جو ہیں تیرے برستے انوار
تار بارش سے بنا ایک سراسر سہرا
ایک کو ایک پہ تزئین ہے دم آرائش
سر پہ دستار ہے دستار کے اوپر سہرا
ایک گھر بھی نہیں صد کان گہر میں چھوڑا
تیرا بنوایا ہے لے لیکے جو گوہر سہرا
پھرتی خوشبو سے اترائی ہوئی باد بہار
اللہ اللہ رے پھولوں کا معطر سہرا
سر پہ طرہ ہے مزین تو گلے میں بدھی
کنگنا ہاتھ میں زیبا ہے تو منہ پر سہرا
رونمائی میں تجھے دے مہ و خورشید فلک
کھول دے منہ کو جو تو منہ سے اٹھا کر سہرا
کثرت تار نظر سے ہے تماشائیوں کے
دم نظارہ تیرے روئے نکو پر سہرا
دُر خوش آب مضامین سے بنا کر لایا
واسطے تیرے تیرا ذوق ثنا گر سہرا
جس کو دعوی ہے سخن کا یہ سنا دے اس کو
دیکھ اس طرح سے کہتے ہیں سخنور سہرا

دونوں سہرے اپنی اپنی جگہ بے نظیر ہیں۔ مگر پہلے مرزا نے اپنی طبیعت پر زور ڈال کر سہرا کہا۔ اور ذوق نے اس طرح کہا کہ دیر و زود کہا۔ سہرے پر سہرا کہا۔ باوجود

اِس امر کے سخن کے پرکھنے والے دیکھ سکتے ہیں کہ کس سخن کو ترجیح دینی چاہیئے۔

میری رائے ناقص میں کہی ہوئی غزل پر غزل کہنی نہایت آسان بات ہے۔ اتفاقاً ایکدفعہ انجمن پنجاب لاہور کا مشاعرہ تھا۔ اور طرح تھی ؎

آجکل جوش جنون میں تیرے دیوانیکو

ایک دوست میرے پاس آئے۔ اور کہنے لگے کہ بھئی پانچ شعر تو ہو گئے ہیں دو شعر تم کہدو تو سات شعر کی غزل مشاعرہ میں پڑھ دوں۔ میں نے اُنہیں چند شعر دے ٹالے۔ رفیق کی اس زمین پر غزل موجود تھی میں نے اس غزل کو سامنے رکھ لیا۔ رفیق کا پہلا شعر تھا ؎

منع کرتی ہے نزاکت جو یہاں آنے کو
اپنی تصویر ہی بھیجو ہمیں بہلانے کو

میں نے فوراً اسکو اسطرح پر بدل دیا ؎

دل بچھے میرا دل کہ بہل جائے گا۔
اپنی تصویر نہ بھیجو اسے بہلانے کو

دوسرا شعر رفیق کا تھا ؎

دیکھو برگشتگی بخت کہ آتی نہیں نیند
خواب میں کہگئے تھے وہ میرے گھر آنیکو

میں نے فوراً اُسے اسطرح بدل دیا ؎

دیکھو برگشتگی بخت کہ آتی نہیں موت
میرے مرنے پہ وہ کہتے تھے یہاں آنیکو

چلو ایک منٹ میں دو شعر ہو گئے۔ حاصل کلام یہ کہ کہی ہوئی غزل پر غزل کہنی نہایت آسان ہے۔

غالب نے جب دیکھا کہ بادشاہ کو اپنے اُستاد کی حمایت ہر طرح منظور ہے تو مناسب یہ ہی سمجھا کہ صفائی ہو جائے۔ واقعی اُنہوں نے بہت اچھا کیا۔ بادشاہ کو ناراض کرنا اچھا نہ تھا۔ دریا میں رہنا اور مگرمچھ سے بیر۔ دانا وں کا کام نہیں سب انجام سوچکر یہ قطعہ حضور میں گذرانا۔

قطعہ

منظور ہے گذارش احوال واقعی
اپنا بیان حسن طبیعت نہیں مجھے

سو پشت سے ہے پیشہ آبا سپہگری
کچھ شاعری ذریعۂ عزت نہیں مجھے

آزادہ رو ہوں اور مرا مسلک ہے صلح کل
سرگز کبھی کسی سے عداوت نہیں مجھے

کیا کم ہے یہ شرف کہ ظفر کا غلام ہوں
مانا کہ جاہ منصب و ثروت نہیں مجھے

استاد شہ سے ہو مجھے پرخاش کا خیال
یہ تاب یہ مجال یہ طاقت نہیں مجھے

جام جہان نما ہے شہنشاہ کا ضمیر
سو گندا اور گواہ کی حاجت نہیں مجھے

سہرا لکھا گیا زرہ امتثال امر
دیکھا کہ چارہ غیر اطاعت نہیں مجھے

مقطع میں آپڑی ہے سخن گسترانہ بات
مقصود اُس سے قطع محبت نہیں مجھے

روئے سخن کسی کی طرف ہو تو روسیاہ
سودا نہیں جنون نہیں وحشت نہیں مجھے

قسمت بری سہی پہ طبیعت بری نہیں
ہے شکر کی جگہ کہ شکایت نہیں مجھے

صادق ہوں اپنے قول کا غالب خدا گواہ
کہتا ہوں سچ کہ جھوٹ کی عادت نہیں مجھے

غالب مرحوم کا کلام کیا ہے۔ ایک شیر و شہد کا دریا ہے ایک مجلس میں اُنکے دوست مولوی کرم حسین کے ہاتھ میں چکنی ڈلی بہت پاکیزہ اور ریشہ تھی اُسکی نسبت فرماتے ہیں ؎

ہے جو صاحب کے کفدست پہ یہ چکنی ڈلی
زیب دیتا ہے جسقدر اچھا کہیے

خامہ انگشت بدندان کہ اسے کیا لکھیے
ناطقہ سر بگریباں کہ اسے کیا کہیے

اختر سوختۂ قیس سے نسبت دیجے
خال مشکین رخ دلکش لیلے کہیے

حجر و آلائندہ دیوار حرم کیجے فرض
نافہ آہوئے بیابان ختن کا کہیے

ہو معہ میں اسے ٹھہرائیے گر مہر نماز
میکدہ میں اسے خشت خم صہبا کہیے

مستی آلودہ سر انگشت حسینان لکھیے
سر پستان پہ یزداں سے مانا کہیے

اپنے حضرت کے کفدست کو دل کیجے فرض
اور اس چکنی سپاری کو سویدا کہیے

سبحان اللہ کیا کلام ہے۔

اب میں آخر میں دو غزلیں مرزا غالب کی لکھتا ہوں کیونکہ مقابلہ میں اندازہ کلام کے لئے ضروری ہیں۔

غزلیات

عشق مجھکو نہین وحشت ہی سہی
میری وحشت تیری شہرت ہی سہی

قطع کیجے نہ تعلق ہم سے
کچھ نہین ہے تو عداوت ہی سہی

میرے ہونے مین ہے کیا رسوائی
اے وہ مجلس نہین خلوت ہی سہی

ہم بھی دشمن تو نہین ہین اپنے
غیر کو مجھ سے محبت ہی سہی

عمر ہرچند کہ ہے برق خرام
دل کے خون کرنے کی فرصت ہی کتنی

ہم کوئی ترک وفا کرتے ہین
نہ سہی عشق مصیبت ہی سہی

کچھ تو دے اے فلک ناانصاف
آہ و فریاد کی رخصت ہی سہی

ہم ہی تسلیم کی خو ڈالین گے
بے نیازی تیری عادت ہی سہی

یار سے چھیڑ چلی جائے اسد
گر نہین وصل تو حسرت ہی سہی

ایک اور غزل سنئے۔

درد منت کش دوا نہ ہوا
مین نہ اچھا ہوا برا نہ ہوا

جمع کرتے ہو کیون رقیبون کو
ایک تماشا ہوا گلا نہ ہوا

ہم کہان قسمت آزمانے جائین
تو ہی جب خنجر آزما نہ ہوا

کتنے شیرین ہین تیرے لب کہ رقیب
گالیان کھا کے بیمزا نہ ہوا

ہے خبر گرم اُنکے آنے کی
آج ہی گھر مین بوریا نہ ہوا

کیا وہ نمرود کی خدائی تھی
بندگی مین میرا بھلا نہ ہوا

جان دی دی ہوئی اُسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

زخم گر دب گیا لہو نہ تھمنا
کام گر رک گیا روا نہ ہوا

رہزنی تھی کہ دل ستانی تھی
لیکے دل دلستان روانہ ہوا

کچھ تو پڑھیے کہ لوگ کہتے ہین
آج غالب غزل سرا نہ ہوا

تمام شد

پیسہ اخبار لاہور

نہایت ارزان۔ کیونکہ قیمت صرف دو روپے سالانہ معہ محصول ڈاک ہے۔ اور پیشگی قیمت دینے والے کو ایک عمدہ کتاب انعام ملتی ہے۔ حجم ۲۰ صفحے۔ بالتصویر۔ بہت زیادہ تازہ بتازہ اور معتبر خبریں۔ نادر اور مستند رائیں۔ لاجواب دلچسپ مضامین شائع ہوتے ہیں۔ جو شخص ایک پیسہ خرچنے کا متحمل ہو اگر کچھ بھی مذاق اخبارات کا رکھتا ہو۔ ممکن نہیں کہ ہفتہ کے ہفتے اس کتاب کے مطالعہ کا شائق نہ ہو جاوے۔ یہی وجہ ہے کہ اس وقت تمام ہندوستان کے اردو اخبارات میں زیادہ بکتا ہے۔

زمیندار۔ باغبان و بیطار

جو کہ ہندوستان بھر میں مضامین زراعت۔ باغبانی۔ علاج الدوابی صنعت و حرفت تجارت وغیرہ کا اکیلا۔ ماہوار۔ بالتصویر۔ اردو رسالہ ہے۔ قیمت عام سالانہ لاہور۔ اور اسے صدر۔ حکام و والیان ریاست سے لے کر۔ لینے کی کاپی ہر کو مل سکتی ہے۔ ہر ایک ہندوستان کے خیر خواہ کا فرض ہے کہ اس نادر رسالے کی امداد کرے اور اس فرض سے سبکدوش ہو۔ اس رسالے کی نہایت بڑے بڑے تجربہ کار افسران زراعت اور دستکاری لوگوں نے بہت اعلیٰ رائے دی ہے اور پنجاب کے اکثر حکام ضلع نے اس کی خریداری فرما کر اس کی سرپرستی منظور کی ہے۔

UNBOXED 1988

شریف بیبیاں

تعلیم نسوان کا ماہوار رسالہ جس میں سعادتمند لائق بیٹی۔ سلیقہ شعار نیکبخت بی بی۔ اور مہربان عورتوں کے بننے کی ہدایات درج ہوتی ہیں۔ ماہ ستمبر ۱۸۹۳ء سے کارخانہ مطبع خادم التعلیم پنجاب پیسہ اخبار لاہور سے شائع شروع ہوا ہے۔ غرض اس کی اشاعت سے صرف یہ ہے کہ یورپ اور امریکہ کے اعلیٰ درجے کے فرقہ اناث کے حالات کی طرز پر ہندوستانی شریف بیبیوں میں امور خانہ داری۔ حسن معاشرت اور تعلیم و تربیت اطفال کا عمدہ مذاق پیدا کیا جاوے۔ ہر شخص جو اہل و عیال رکھتا ہے اس رسالے کو اپنے گھر میں منگوا کر دینے کا حاجتمند ہوگا۔ کیونکہ کون نہیں چاہتا کہ اس کے گھر میں انتظام خانہ داری میں سلیقہ اور خانہ شعاری کا رواج ہو۔ بچوں کی نگہداشت خاطر خواہ ہو۔ اور گھر جو سچے طور پر بہشت کا مرادف لفظ ہے اس کے تمام دینی و دنیاوی تفکرات آسان اور بجا ہو جاوے۔ قیمت سالانہ معہ محصول ڈاک ۴ ۔